المنار جرمنی

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

T. I. COLLEGE OLD STUDENT'S ASSOCIATION GERMANY

جنوری۔ فروری۔ مارچ۔ 2021

المنار جرمنی

جنوری۔فروری۔مارچ 2021 بمطابق: صلح۔تبلیغ۔امان۔1400

زیرِ نگرانی

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب
سرپرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

چوہدری عبدالغفور ڈوگر

مدیر اعلیٰ المنار

چوہدری محمد کولمبس خاں

پتہ
Bait us Sabooh
Genferstrasse 11
60437 Frankfurt / M
E-Mail:
columbuskhan@gmail.com

اس رسالہ کی تیاری میں مکرم نوید حمید صاحب از فرینکفرٹ نے تعاون فرمایا۔ گرائمر اور املاء کی درستی بھی کی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

سیّدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
کی منظوری سے

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کو گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان میں مستحق طالب علموں کی مالی اعانت کی توفیق مل رہی ہے۔ الحمد للہ کہ اس مد میں قربانی کرنے والے بھائیوں کی تعداد اور رقم کی ادائیگی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قربانی کو قبول فرماتے ہوئے اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

یہ رقم اب جرمنی میں ٹکوساسکالرشپ فنڈ کے نام پر اور اسی طرح ممبرشپ فنڈ جماعتی رسید بکس پر ادا کی جاسکتی ہے۔ جو دوست آن لائین بھجوانا چاہیں ان کی سہولت کے لئے اکاؤنٹ ذیل میں درج ہے۔

AHMADIYYA MUSLIM JAMAAT-BRD
DE 41 5001 0060 0244 0236 04
BIC: PBNKDEFFXXX

ممبرشپ کے لئے جماعتی رسید بک پر T MF۔اور وظیفہ کے لئے TSF. کی مد میں رقم جمع کروائی جائے

حمید احمد چوہدری

سرپرست

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

ارشادِ باری تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

Im Namen Allahs, des Gnädigen, des Barmherzigen.

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بِن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا

Wir haben dir einen offenkundigen Sieg gewährt,

یقیناً ہم نے تجھے کھلی کھلی فتح عطا کی ہے۔

لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ یُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکَ وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا

auf, dass Allah dich schirme gegen deine Fehler, vergangene und künftige, und dass Er Seine Gnade an dir vollende und dich leite auf den geraden Weg;

تا کہ اللہ تجھے تیری ہر سابقہ اور ہر آئندہ ہونے والی لغزش بخش دے اور تجھ پر اپنی نعمت کو کمال تک پہنچائے اور صراطِ مستقیم پر گامزن رکھے۔

وَّ یَنۡصُرَکَ اللّٰہُ نَصۡرًا عَزِیۡزًا

und dass Allah dir helfe mit mächtiger Hilfe.

اور اللہ تیری وہ نصرت کرے جو عزت اور غلبہ والی نصرت ہو۔

ہُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِہِمۡ ؕ وَ لِلّٰہِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا

Er ist es, Der die Ruhe in die Herzen der Gläubigen niedersandte, damit sie Glauben hinzufügen ihrem Glauben – und Allahs sind die Heerscharen der Himmel und der Erde, und Allah ist allwissend, Allweise –,

وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں سکینت اتاری تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں مزید بڑھیں۔ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) بہت حکمت والا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْأَلَةِ» :الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى وَالْيَدُ الْعُلْيَا الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلَى السَّائِلَة.

Die Oberhand ist besser als die Unterhand

Erzählt von Ḥaḍrat ‘Abdullāh bin’Umar, Allah sei zufrieden mit ihm:
„In einer Predigt von der Kanzel aus hat der Heilige Prophet von Allah (Frieden und Segnungen Allahs seien auf ihm) einmal zur Nächstenliebe angewiesen und gleichzeitig vom Betteln abgeraten und er stellte fest, dass die Oberhand (des Spenders) besser war als die Unterhand (des Empfängers)“ .

از ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

جبر و قضاو قدر اور دعا

قرآن شریف نے ان امور کو جن سے احمق معترضوں نے جبر کی تعلیم نکالی ہے۔ محض اس عظیم الشان اصول کو قائم کرنے کے لیے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ہر ایک امر کا مبدء اور مرجع وہی ہے وہی علّت العلل اور مسبّب الاسباب ہے۔ یہ غرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسائط اٹھا کر اپنے علّت العلل ہونے کا ذکر فرمایا ہے ورنہ قرآن شریف کو پڑھو اس میں بڑی صراحت کے ساتھ اُن اسباب کو بھی بیان فرمایا جس کی وجہ سے انسان مکلّف ہو سکتا ہے۔

علاوہ بریں قرآن شریف جس حال میں اعمال بد کی سزا ٹھہراتا ہے اور حدود قائم کرتا ہے۔ اگر قضاو قدر میں کوئی تبدیلی ہونے والی نہ تھی اور انسان مجبور مطلق تھا، تو ان حدود و شرائع کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف دہریوں کی طرح تمام امور کو اسباب طبیعہ تک محدود رکھنا نہیں چاہتا بلکہ خالص توحید پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے دعا کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور نہ قضاو قدر کے تعلقات کو جو دعا کے ساتھ ہیں تدبر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جو لوگ دعا سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے راہ کھول دیتا ہے۔ وہ دعا کو رد نہیں کرتا۔ ایک طرف دعا ہے۔ دوسری طرف قضاو قدر۔ خدا نے ہر ایک کے لیے اپنے رنگ میں اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔ اور ربوبیت کے حصہ کو عبودیت میں دیا گیا ہے اور فرمایا ہے:

أُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن : 61)

مجھے پکارو میں جواب دوں گا۔ میں اس لیے ہی کہا کرتا ہوں کہ ناطق خدا مسلمانوں کا ہے، لیکن جس خدا نے کوئی ذرّہ پیدا نہیں کیا یا جو خود یہودیوں سے طمانچے کھا کر مر گیا وہ کیا جواب دیگا۔

؎ تو کار زمیں را نکو ساختی کہ با آسماں نیز پرداختی

جبر اور قدر کے مسئلہ کو اپنی خیالی اور فرضی منطق کے معیار پر کسنا دانشمندی نہیں ہے۔ اس سر کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنا بیہودہ ہے۔ الوہیت اور ربوبیت کا کچھ تو ادب بھی چاہیے۔ اور یہ راہ تو ادب کے خلاف ہے کہ الوہیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے۔ الطريقة كلها ادب۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 224-225)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

پس دعاؤں کی قبولیت کے لئے یہ انتہائی ضروری چیز ہے کہ سب ذاتی رنجشوں اور کدورتوں کو بھلا دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگی جائے اور آئندہ کے لئے اپنے دل کو پاک صاف رکھنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی جائے۔ آج جو مخالفین احمدیت اپنی مخالفانہ کارروائیوں میں بڑھے ہوئے ہیں تو ہمیں ایک ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی دعاؤں کے ساتھ حاضر ہونا چاہئے۔ جب انسان بے چین ہو کر مُضْطَر بن کر اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتا ہے، اس سے مانگتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ بھی اس کی مدد کو آتا ہے۔ پس اس اصل کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے اور کبھی اس بات سے لاپرواہ نہیں ہونا چاہئے۔ (خطبہ جمعہ 29 دسمبر 2017)

پیغامِ صدر

عزیز برادران!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

ہر سال کی طرح 2020 عیسوی بھی آیا اور چلا گیا۔ اس سال میں ٹکوسا جرمنی کو اپنے دائرہ کار میں کرونا کی پابندیوں اور مشکلات کے باوجود سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی توفیق ملی۔ الحمدللہ۔ تقریبات کا انعقاد۔ ممبر شپ میں اضافہ۔ مالی قربانی میں اضافہ۔ آن لائین میٹنگز۔ اور سب سے بڑھ کر سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ ٹکوسا ممبران کی یوکے میں ملاقات قبلِ ذکر ہیں۔ اسی طرح دنیا بھر کے ممالک میں پھیلے ہوئے تعلیم الاسلام کالج کے کئی سابق طلبہ کے آپس میں رابطے پچاس پچاس سال کے بعد ہوئے ہیں جو ایک نہایت خوشکن امر ہے۔

ہم سارے سال کی مساعی کا جائزہ لیں تو یہ امر سامنے آتا ہے کہ کورونا کی پابندیوں نے کئی راہیں بند کیں تو دوسری کئی راہوں سے ٹکوسا کے مقاصد پھر بھی حاصل ہوئے۔ اس موقع پر ٹکوسا ممبران کا بھی شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کے اموال اور نفوس میں برکت ڈالے۔ ممبران کی اکثریت نے اپنی اپنی بساط کے مطابق ہم آہنگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے تعاون سے ہمیں نوازا جس کے نتیجے میں یہ سرگرمیاں انجام دی جاسکیں اور حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی نصیب ہوئی۔ اسی طرح دُور کے علاقوں میں نمائندگان نے ممبر شپ کے لئے پوری تگ و دو سے کام کیا۔ وہ دوست ہمارے خاص شکریئے کے مستحق ہیں۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ کرونا کی وبا سے ہمیں جلد نجات مل جائے گی تو ان شاء اللہ اور بہتر رنگ میں کام کیا جاسکے گا۔

الحمدللہ سال 2020 میں ہمیں کچھ کم تین ملین روپے طلباء فنڈ میں پیش کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ اور افریقہ میں ایک سکول کے دو کمرے بنوانے اور ایک واٹر پمپ لگوانے کی توفیق پائی۔ الحمدللہ علیٰ ذالکَ۔

جیسا کہ بھائیوں کے علم میں ہے کہ ٹکوسا کی رجسٹریشن منسوخ کروادی گئی ہے اور اس کے تمام مالی معاملات جرمنی کے شعبہ مال کی نگرانی میں کردیئے گئے ہیں۔ اس کا بہت فائدہ ہوا ہے۔ اب ہر دوست مقامی سیکریٹری مال کو ادائیگی کر سکتا ہے اور جو دوست ٹیکس ادا کرتے ہیں وہ اب ٹکوسا کو ادا کردہ رقم بھی دوسری مالی قربانی کے ساتھ اپنے ٹیکس کی چھوٹ کے لئے فنانس آمٹ میں ظاہر کر کے جائز فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

نئی مجلس عاملہ کی تشکیل کا معاملہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ملتوی کیا گیا ہے۔ کورونا کی وجہ سے حالات مناسب نہیں ہیں۔ سازگار ہونے پر ان شاء اللہ انتخابات ہو سکیں گے۔ پہلے اگرچہ خیال تھا کہ آخری سہ ماہی میں کرونا ختم ہو جائے گا تو یہ کام پایہ تکمیل تک پہنچایا جاسکے گا لیکن اب صورتحال کے پیشِ نظر عارضی طور پر مجلس عاملہ کی تقرری کی جارہی ہے۔ سال 2020 کی ایک رپورٹ مکرم جنرل سیکریٹری صاحب نے تیار کی ہے جو اس المنار میں پیش کی جارہی ہے۔ اگلے سال کے لئے کوئی تجویز آپ کے ذہن میں آئے تو اس سے آگاہ فرمائیں۔ جزاکم اللہ۔

اللہ تعالیٰ آپ تمام بھائیوں کو سال 2021 بہت بہت مبارک کرے اور دینی و دنیوی ترقیات سے نوازے۔ آپکے اہل و عیال اور بزرگان کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔ اس سال کے پروگرام کے لئے دوست خاکسار کو تجاویز ارسال کریں تاکہ بروقت پلاننگ کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کا حافظ و ناصر ہو۔ آمین

والسلام

آپ کی دعاؤں کا محتاج

خاکسار عبدالغفور ڈوگر

صدر۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی۔

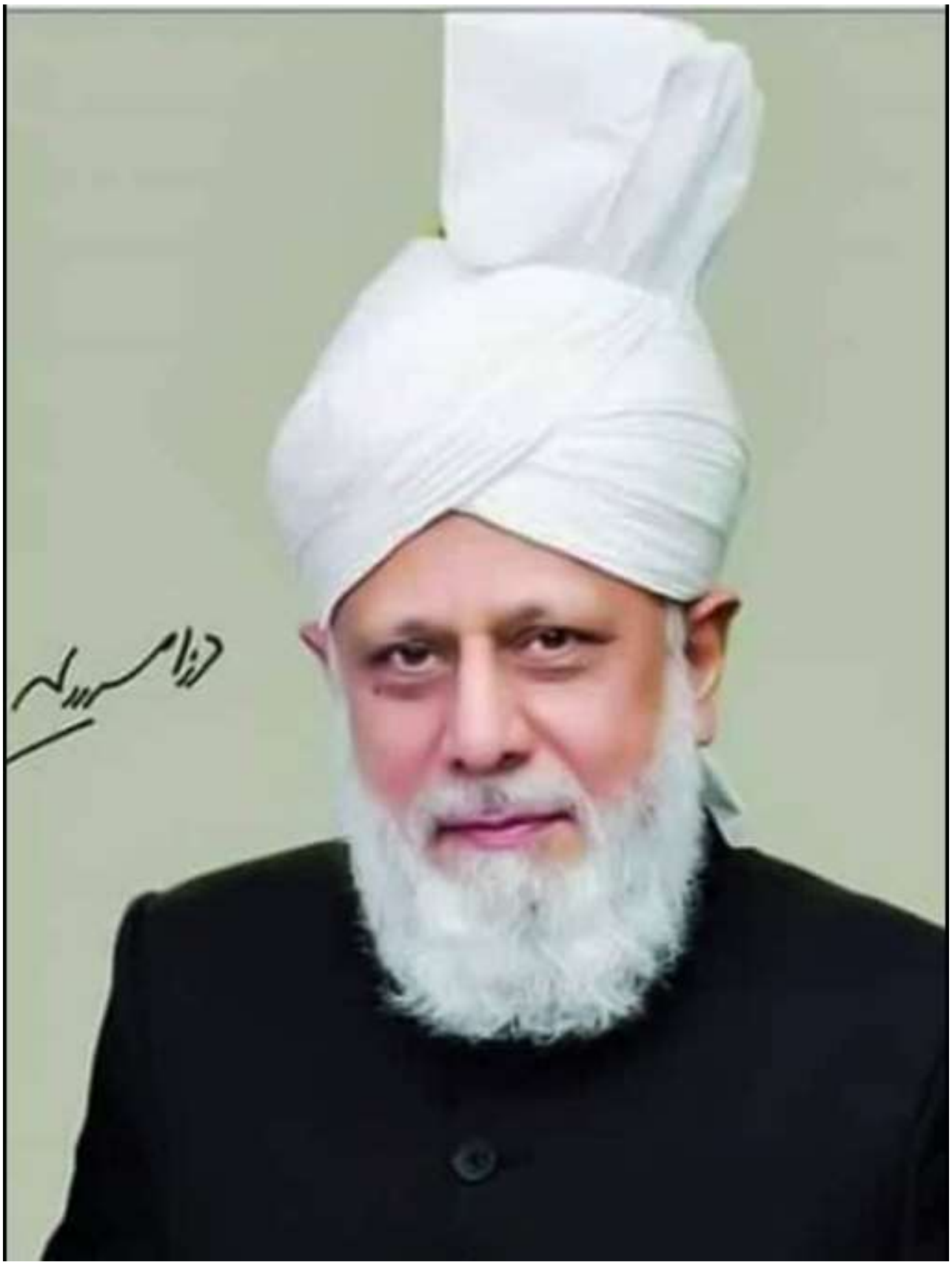

ہمارے محبوب آقا سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز

مجلس عاملہ تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس۔جرمنی

جیسا کہ ممبران کو اجلاس عام میں مطلع کیا گیا تھا کہ ملکی وبائی حالات کے پیش نظر دسمبر 2020 میں ہونے والے مجلس عاملہ کے انتخابات حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد اور راہنمائی سے تا اطلاع ثانی ملتوی کئے جا رہے ہیں۔اور جب تک نئے انتخاب نہیں ہو سکتے پہلی عاملہ ہی کام کرتی رہے گی البتہ مجلس عاملہ کے بعض خالی عہدے اور بعض دوستوں کے پاس ایک سے زیادہ عہدے ہیں ان شعبوں کو کام میں بہتری کے لئے تقسیم کیا جا رہا ہے انشاءاللہ حالات کے بہتر ہونے کے بعد جلد ہی الیکشن کا انعقاد کیا جائے گا۔

فہرست مجلس عاملہ تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس جرمنی

اعزازی سرپرست:	مکرم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب
صدر:	مکرم عبدالغفور ڈوگر صاحب
نائب صدر:	مکرم عرفان احمد خان صاحب
معاون صدر:	مکرم منیر احمد باجوہ صاحب
معاون صدر:	مکرم حبیب اللہ طارق صاحب
معاون صدر:	مکرم داؤد احمد چیمہ صاحب
سیکرٹری تجنید:	مکرم عبدالرزاق ڈوگر صاحب
سیکرٹری مال:	مکرم حمید اللہ ظفر صاحب
سیکرٹری سپورٹس:	مکرم شکیل احمد صاحب
سیکرٹری ضیافت:	مکرم عطاء العزیز صاحب
سیکرٹری تقریبات:	مکرم سعید ناز صاحب
سیکرٹری اشاعت:	مکرم محمد کولمبس خاں صاحب
سیکرٹری سمعی بصری:	محمد افضل صاحب
سیکرٹری: Associate Member	مکرم قمر احمد عطاء صاحب

علاقائی سیکرٹریز

ہمبرگ سٹی:	مکرم اعزاز رسول صاحب	ہوزم:	مکرم چوہدری منیر احمد صاحب
کیل:	مکرم بشیر الدین صاحب	برلن:	مکرم آفاق باجوہ صاحب
کولون:	مکرم میجر عبدالوحید ظفر صاحب		

خاکسار

شیخ منصور احمد

جنرل سیکریٹری تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔جرمنی

اظہارِ مسرّت و شکریہ احباب

(محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب۔ اعزازی سرپرست۔ ٹکوساجرمنی)

خاکسار کو اِس امر کا اظہار کرتے ہوئے دلی مسرّت ہو رہی ہے کہ جب سے عزیزم محترم چوہدری عبدالغفور ڈوگر صاحب کے سپرد تعلیم الاسلام کالج اولڈ ایسوسی ایشن جرمنی کی صدارت سونپی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل ان کی بے لوث محنت کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے، باوجود نامساعد حالات کے جن سے ہم ابھی بھی گزر رہے ہیں، ایسوسی ایشن کو غیر معمولی طور پر متحرک کر دیا ہے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کی دن رات محنت کے ساتھ ساتھ ان کا خلوصِ نیت بھی اس کامیابی میں شامل ہے۔

صدر منتخب ہونے کے بعد جب وہ پہلی مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح ایدّہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں بغرض دعاء وراہنمائی حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور کی خدمت میں دیگر امور کے علاوہ یہ بھی عرض کیا کہ اگر حضور اجازت دیں تو ایسوسی ایشن افریقہ کے کسی ملک میں ایک کنواں اور ایک سکول کے لئے دو کمرے پیش کرنا چاہے گی۔ اور اس پیشکش سے سالانہ وظائف کی رقم انشاء اللہ متاثر نہیں ہو گی۔ حضور ایدّہ اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست منظور فرمائی اور فرمایا اس کا تخمینہ وکالت مال سے لگوالیں۔ واپس آکر جب صدر صاحب مجھ سے اس بات کا ذکر کیا تو خاکسار نے کہا کہ بغیر تیاری کے خلیفۂ وقت کی خدمت میں ایسے پیشکش کرنا جس کو نبھایا نہ جاسکے غلطی ہے۔ مجھے خود فکر ہوئی کہ وظائف کی رقم تو ہم مشکل کے ساتھ پوری کرتے ہیں یہ وعدہ کیسے پوا کر سکیں گے ؟۔ مگر اللہ تعالیٰ نے صدر محترم کی نیّت کو قبول کرتے ہوئے ایک غیر متوقع انتظام فرمادیا۔ جب انہوں نے اس پیشکش کا اعلان کیا تو چند ہی روز بعد ایک دوست نے نام ظاہر نہ کرنے شرط پر فون کیا کہ آپ رقم کا تخمینہ بتائیں میں اکیلا پوری رقم پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ خاکسار نے صدر صاحب کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نیّت قبول فرماتے ہوئے رقم کا بندوبست فرمادیا ہے۔ اس کے بعد وہ وظائف کی رقم کے لئے کوشاں ہوئے اور خدا کے فضل سے وہ بھی پچھلے سال سے بڑھ کر سال 2020 کے اختتام سے پہلے صدر انجمن احمدیہ کی خدمت میں ارسال کر دی۔ ساتھ ساتھ دیگر علمی اور جسمانی Activities کی طرف بھی توجہ کرتے رہتے ہیں۔ سال 2020 کے آغاز میں چوہدری محمد علی میموریل باسکٹ بال ٹورنامنٹ کا کامیابی سے انعقاد کروایا جس میں حسب سابق انگلستان کی ٹیم بھی شامل ہوئی۔ دو مرتبہ سائیکل ٹوُر بھی کروائے۔ سال کے وسط میں باسکٹ بال کا ایک نمائشی میچ بھی کروایا۔ حال ہی میں انگلستان کی ایسوسی ایشن کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایک مجلس شعر وشاعری بھی کروائی گئی جس کی صدارت انگلستان والوں کی خواہش پر ڈوگر صاحب نے کی۔ ابھی سال کے اختتام پر ایک عالمی مشاعرہ کا بھی انتظام کر رہے ہیں۔ خاکسار نے اختصار کے ساتھ چند امور کا ذکر کیا ہے جو محترم چوہدری عبدالغفور ڈوگر صاحب کی صدارت میں ایسوسی ایشن کی طرف سے کئے گئے ہیں۔ اور میں یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ ان کی Single handed efforts کا نتیجہ ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ دوستوں کے تعاون کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں اور تعاون کو حاصل کرنا بھی ان کی محنت اور خلوص کا کرشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے بے پایاں فضل سے ان کی توفیق بڑھاتا جائے اور ہماری یہ ایسوسی ایشن ترقی کی راہوں پر قدم مارتی ہوئی خلیفۂ وقت کی توقعات پوری اترتی رہے۔ آمین۔

ختم کرنے سے پہلے میں تمام دوستوں اور عزیزوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے روزِ اول سے ہی خاکسار کے ساتھ تعاون کا

ہاتھ بڑھایا اور خاکسار کی کوتاہیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے آج تک بڑھاتے چلے آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا خلوص قبول فرمائے اور ان کو دین و دنیا کی نعمتوں خوشیوں سے مالامال فرمائے۔ آمین۔

نام بنام شکریہ ادا کرنا تو ممکن نہیں مگر دو دوستوں کا ذکر کئے بغیر میں رہ نہیں سکتا۔ وہ دونوں مجھ سے جسمانی فیصلہ کے لحاظ سے دور ہوتے ہوئے بھی میرے دل سے قریب تر ہیں۔ میری مراد برادرم محترم چوہدری منیر احمد ناصر باجوہ اور برادرم محترم چوہدری محمد کولمبس خاں صاحبان سے ہے۔ یہ دونوں میرے اور ایسوسی ایشن کے محسن ہیں۔ ہمبرگ کے علاقہ میں ایسوسی ایشن کا قیام کرنے، اور فنڈز جمع کرنے میں باجوہ صاحب جو خدمت سرانجام دی اور مسلسل دیتے رہتے ہیں وہ میرے علاوہ شاید ہی کوئی جانتا ہو۔ محترم چوہدری محمد کولمبس خاں صاحب اعلیٰ درجے کا علمی ذوق رکھتے ہیں۔ کسی رسالہ کو باقاعدگی کے ساتھ تیار کرکے شائع کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اور آغاز ہی سے وہ اس کے ساتھ منسلک رہے ہیں۔ اور تندہی سے یہ بے لوث خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے حتیٰ المقدور اس کے استحکام کے لئے کوشاں ہے۔

ایک بار پھر میں تمام سابق طلباء کا بالعموم اور بہت سے عزیز دوستوں کا (جو تعلیم الاسلام کالج میں پڑھے بھی نہیں) بالخصوص، تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے فراخدلانہ مالی معاونت کے ذریعہ ہمیں اس قابل بنایا کہ ہم حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں مالی لحاظ سے کمزور طلباء کی امداد کے لئے وظائف کی پیشکش کا وعدہ ہر سال پورا کر رہے ہیں۔

خاکسار

فرینکفرٹ:28 دسمبر 2020 حمید احمد چوہدری

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں

(از مکرم چیف سیّد معین شاہ صاحب۔لندن)

ہمارا گاؤں شاہ مسکین لاہور سے 40 کلو میٹر دُوری پر لاہور جڑانوالہ روڈ پر واقع ہے۔ ہمارے تمام بزرگان 1900 اور 1903 میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کرکے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔ شروع میں مخالفت بھی ہوئی۔ چند سال قبل ساتھ والے گاؤں کے ایک امام مسجد نے مخالفت کی وجہ سے IG پولیس کو خط لکھا کہ شاہ مسکین میں احمدیوں نے اپنا مدرسہ بنایا ہوا ہے جس پر قریبی تھانہ سے پولیس والے آئے مگر کچھ نہ مل سکا اور واپس گئے اور درخواست گزار کو پکڑ کر لے گئے کہ تم نے جھوٹ کہا تھا۔ رات مولوی نے تھانہ گزاری اور تقریباً ساٹھ ہزار روپے دیکر گھر آیا۔ اس نے دوبارہ درخواست دے دی۔ اس پر بچیکی کے DSP نے گاڑی بھیج کر میرے چچا کو لے گئے۔ جب گاؤں کے دوسرے غیر از جماعت احباب کو علم ہوا تو چند احباب ملکر بچیکی چلے گئے۔ پولیس کی کار ابھی نہیں پہنچی تھی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر DSP صاحب دفتر سے باہر آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟۔ اس پر انہوں نے بتایا کہ ہم مبارک شاہ صاحب کی سپورٹ میں آئے ہیں اور آپ کو بتانا ہے کہ ہمارا مولوی بہت جھوٹا شخص ہے اور اس کا خط بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی ہے۔ تھوڑی دیر میں مولوی صاحب بھی معہ دوسرے مولوی وہاں پہنچ گئے۔ آتے ہی انہوں نے بیان دیا کہ یہ درخواست انہوں نے نہیں دی بلکہ کوئی ان کا نام استعمال کر رہا ہے۔ اس پر پولیس آفیسر نے ان سے لکھوا کر سب کو گھر بھیج دیا۔ مبارک شاہ صاحب گئے رات گھر پہنچے۔ اگلے دن وہی غیر از جماعت گاؤں والے احباب، مکرم مبارک شاہ صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ بے عزتی آپ کی نہیں بلکہ ہماری ہے اور ہم مولوی کے خلاف عدالت میں ہتک عزت کا کیس کرنے جارہے ہے ہیں اور آپ نے اب ہمارا ساتھ دینا ہے۔ اس پر مبارک صاحب کہنے لگے کہ مقدمہ میں نے تو کر دیا ہوا ہے اب آپ فیصلہ کا انتظار کریں۔ یہ سن کر غیر از جماعت حیران ہوئے کہ رات دیر سے آئے ہیں اور ابھی صبح کا وقت ہے یہ کیسے ممکن ہوا۔ مبارک صاحب نے پھر یہی کہا عدالت کا فیصلہ جلد آئیگا۔ اس پر وہ دوست اٹھ کر چلے گئے۔ اسی دن خدا تعالیٰ نے فیصلہ سنا دیا۔ اسی شام کو مخالف مولوی صاحب بیمار ہوئے اور رات تک ان کی وفات ہوگئی۔

(چیف سیّد معین شاہ صاحب، تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پروفیسر مکرم سیّد سلطان محمود شاہد صاحب کے بھانجے ہیں)

تعلیم الاسلام ہائی سکول جب چنیوٹ میں تھا

(شیخ لئیق احمد صاحب۔ کینیڈا) (1947تا1951)

قادیان سے ہجرت کے بعد ہم اپنے ننھیال پنڈی بھٹیاں آن براجمان ہوئے تھے۔ والد صاحب ابھی کلکتہ میں تھے۔ کوئی گیارہ سال قبل والدہ بچوں کو لے کر یہیں سے قادیان منتقل ہوئیں تھیں کہ بچوں کی تربیت کے لئے ان کے حسب طبع ماحول تھا۔ ابھی اس فکر میں تھیں کہ کہاں ٹھکانا کیا جائے اطلاع ملی کہ جماعت احمدیہ نے چنیوٹ میں متروکہ سکول کی عمارت الاٹ کروالی ہے اور سکول جلد وہاں کھل جائے گا۔ تعلیم الاسلام کالج کے لئے لاہور ہی بندوبست ہو چکا تھا۔ چنیوٹ ہمارا ددھیال تھا اور تعلق داری بھی۔ فوری فیصلہ کیا اور دیکھتے بھالتے محلہ گڑھا کی ایک گلی میں ایک دو منزلہ متروکہ مکان حاصل کرنے میں کامیابی ہوئی اور سکول کے افتتاح سے قبل ہی ہم یہاں منتقل ہو چکے تھے۔ ساتھ ہی سکول کی انتظامیہ اساتذہ اور عملہ اور احمدی خاندانوں کا رجوع ہؤا۔ اور یہ گلی اور محلہ گڑھا اگلے چند ماہ میں احمدیوں کا گڑھ بن چکے تھے۔ مجھے یہ تو یاد نہیں کہ سینتالیس کے اواخر میں یا اڑتالیس کے آغاز میں۔ مگر افتتاح کے دن ہم تینوں بھائی داخلہ لینے سب سے پہلے پہنچنے والوں میں تھے۔

دوسری جماعت میں اس دن ہم تین طالبعلم داخل ہوئے۔ اصغر علی خان بنگالی۔ عبدالباسط اور خاکسار لئیق احمد۔ ہم تینوں کی گہری دوستی جب تک قدرت کو منظور رہا قائم رہی۔ شفیق احمد چھٹی میں اور رفیق احمد نویں میں۔

طالبعلم بڑھتے گئے اور کلاس روم بھرتے گئے۔ وہ چار سال جب سکول چنیوٹ رہا بچپن کی یادوں سے بھرپور ہیں۔ اور انہیں ایک ساڑھے چھ سال سے ساڑھے دس سال تک کے بچے کے ستر سال قبل کے دماغی کمپیوٹر کا اگلا سمجھ کر کوئی سہو ہو تو معاف کر دیجئے گا۔

سکول کی حدود تحصیل چوک چنیوٹ سے شروع لاہور روڈ ریلوے پھاٹک سے کچھ قبل تک تھیں۔ اور ایک تکون کی شکل میں تھا۔ سکول کے پچھواڑے فیصل آباد روڈ پر پہلے کھیلوں کا میدان اور پھر اسلامیہ ہائی سکول کی عمارت تھی۔ تکون کے شروع میں ایک کنواں تھا اور اسکے ساتھ بڑے پرانے "بڑ" کے درخت نیچے ہماری کلاس تھی۔ ساتھ ہی چند دوسرے درختوں کے نیچے باقی پرائمری کلاسیں لگتیں۔ مڈل ہائی کلاسز کے لئے کمرے تھے۔ ایک دو سال بعد جب تعداد بڑھ گئی تو ریلوے لائن والی طرف کھیل گراؤنڈ کے ساتھ والی دیوار کے ساتھ بیرک نما کلاس روم بنائے گئے۔ جس میں تمام طلباء باری باری کلاس کے لحاظ سے وقار عمل کرتے اینٹیں وغیرہ مہیا کرتے۔ انیس سو پچاس (1950) کے بڑے سیلاب میں دیوار کا بڑا حصہ گر گیا تھا اس کی تعمیر نو میں بھی وقار عمل اینٹیں ڈھوتے حصہ لینے کا مزا یاد ہے۔

آج سوچتا ہوں کہ ہماری رہائش والی گلی میں کیا کیا ہستیاں جمع ہو گئی تھیں۔ کچھ یاد ہیں کچھ بھول گیا ہوں۔ ہمارے بالکل ساتھ والے مکان میں ہمارے بہنوئی

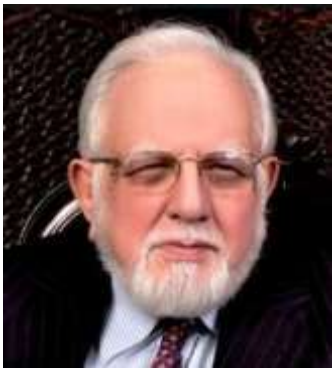

قاری عبدالرشید ابن حضرت قاری غلام یاسین صاحب کا قیام ایک دو سال رہا۔ ربوہ میں آبادی شروع ہوتے ہی وہاں منتقل ہو گئے۔ اس سے آگے مولانا ظل الرحمان بنگالی صاحب کا گھر تھا۔ اور ان کے بیٹے عطا اور نواب بھائی جان کے کلاس فیلو تھے۔ عطاء الرحمان اگر میری یادداشت درست ہے تو۔ مشرقی پاکستان چلے گئے تھے۔ مگر نواب جو ہمارے اور گھر والوں کے لئے "نواب" ہی رہے آپ احباب کے لئے شیخ مجیب الرحمان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ مرحوم ہیں۔ ایک مرتبہ اسلام آباد مسجد میں جمعہ پڑھا تو ملاقات ہوئی۔ پھر چند سال قبل کینیڈا تشریف لائے تو باوجود کوشش کے چند اتفاقی وجوہات سے ملنے کی حسرت رہی۔ البتہ بھائی جان سے ملاقات ان کی رہی۔

ان سے ذرا آگے سامنے شیخ عبدالقیوم مرحوم کا خاندان تھا۔ وہ کلکتہ میں رہے تھے۔ انیس سو اکہتر میں جب والد محترم کی وفات ہوئی تو انہوں نے انکشاف کیا کہ میرے والد مرحوم شیخ دوست محمد شمس آف کلکتہ لڑکپن میں بہت کم آمیز۔ کم گو ہونے کی وجہ سے چنیوٹ میں۔ دوسہ گھُپ۔ کا نام (چنیوٹ کے عام رواج کے مطابق) پا چکے تھے۔ جب انیس سو چوبیس (1924) میں کلکتہ میں بیعت سے سرفراز ہوتے احمدیت

قبول کی تو کلکتہ میں مقیم احمدی احباب چنیوٹ نے گھُپ اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آجانے کی وجہ سے گھُپ کو شمس میں بدل دیا۔اور پھر وہ دوست محمد شمس ہی کہلائے۔ہمارے دادا جان محترم کا نام شمس دین تھا۔

پھر سامنے مکان کے ایک کمرے میں ایک صاحب تھے نام یاد نہیں۔فوجی خاکی کمبل سے سلا اوور کوٹ۔ٹخنوں سے اونچی دھوتی سر پر دو رنگے لائنوں کپڑے کی پگڑی۔ہاتھ میں سیاہ شیشم کا تیل سے مالش شدہ چمکتا موٹا کوئی پانچ فٹ کا ڈنڈا۔روزانہ صبح ہاتھ میں ان کے اپنے چھپوائے منظوم قصے لئے نکلتے دکھائی دیتے۔اور بازار میں گا کر سناتے ایک آنہ کا قصہ فروخت کرتے۔ان کا سنایا یہ شعر ہمیشہ زندگی کے حقائق کو سمجھنے میں مددگار اور یاد رہا۔

چار کتاباں نازل ہوئیاں پنجواں آیا سوٹا
جو کُجھ وچ کتاباں لکھیا بن سوٹیوں سب کھوٹا

ہمارے آنے کے چند ماہ بعد ہمارے بائیں جانب والے مکان میں حضرت مولانا ابو العطا جالندھری آ قیام پذیر ہوئے۔عطاء الرحیم میرے کلاس فیلو تھے۔اور ان سے بڑے بھائی شفیق کے۔۔قریب ہی احسان الحق صاحب کا خاندان تھا۔تفصیل یاد نہیں بڑے بھائی سے دوستی رہی ریلوے میں ملازم ہو گئے تھے۔پھر آگے مشفق استاد محترم صوفی محمد ابراہیم صاحب کی رہائش تھی جو شاید نائب ہیڈ ماسٹر تھے۔ان کے سامنے پتلی سی گلی کے آخری چوک میں سردار مصباح الحق صاحب آگئے ان کے صاحبزادہ ظفر اقبال شفیق کے کلاس فیلو تھے اور گہرے دوست۔اور جرمنی سے کئی مرتبہ شفیق بھائی سے شکاگو رابطہ ہوا۔اس کے علاوہ بھی اس گلی میں چار پانچ احمدی گھرانے تھے۔

ہمارے گھر کے سامنے ایک بالکل شکستہ متروکہ ویران پڑا مکان ایک پتلی گلی کے کونے پر تھا۔بزرگوں نے مشورہ کیا اور اس کا تمام ملبہ وقار عمل وغیرہ (جس میں ہر بڑے بوڑھے نے کئی روز مشقت کی) سے ہٹا ایک اونچے سے چبوترے کی شکل دے نماز کے لئے بنایا گیا اور باقاعدہ بطور مسجد استعمال ہوا بعد میں شاید مسقف بھی کر لیا گیا تھا۔ابھی ہے یا مجاہدوں نے مشرف بہ اسلام کر لیا علم نہیں۔

یہ وہ پرانا زمانہ تھا جب پرانے شہروں قصبوں میں بدرَو یا گندے پانی کے نکاس کی نالی گلی کے درمیان میں ہوتی تھی۔اور ہر گھر سے نالی نکلتی اس میں نالی میں شامل ہوتی تاہم روزانہ خاک روب فجر کے وقت صفائی کر جاتا۔ہماری گلی میں باقی ہر گھر میں مشرقی پنجاب یا پاپانی پت رہتک حصار سے آئے دیہاتیوں کی تھی۔ایک پنجابی گھرانے کی شادی یاد ہے جس میں عورتیں گلی میں دری بچھا ڈھولک کی محفل سجائے گیت گاتی آنے والی بارات اور دلہا کی شان میں پھول بکھیر رہی تھیں۔

وے میں گھڑا اک پایا پانی۔وے میں لپ اک پائی دال
وے میں تیرے واسطے رجھی مسالیاں والی دال

اس سے اگلے اشعار کچھ دلہا میاں کے اس دال میں ڈبو کے اور پتہ نہیں کہاں سے پکڑ کر:۔

کھچاں۔۔۔توں نکل آویں باہر۔۔۔۔۔پہ ختم ہوتے۔۔۔۔

ہماری یہ گلی چنیوٹ کے مرکزی جتو تھان چوک سے تحصیل کی طرف جانے والی مین گلی سے شروع ہوتی تھی اور وہاں سے آتے دائیں طرف ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب کا کلینک تھا ان کی بیٹی میری بڑی بہنوں کی گہری سہیلی تھی اور بیٹا۔عبدالوہاب تھا نام شاید۔میرا ہم جماعت تھا۔۔جتو تھان چوک میں ایک احمدی گھرانے کی ٹرنکوں کی دکان تھی ان کا بھی سلیم الدین میرا ہم جماعت تھا۔اور تحصیل کی طرف جاتے جو دائیں بائیں گلیاں نکلتیں وہاں بھی بہت احمدی گھرانے تھے۔بائیں طرف ایک کوچہ کے اختتامی چوک۔آجکل کے مغربی ممالک کی سڑکوں کے "کورٹ" سمجھ لیجئے،میں خان ابو الہاشم خان صاحب کا گھرانہ آباد تھا۔ان کی بیٹیاں بھی میری بہنوں کی سہیلیاں تھیں۔مجھے یاد ہے ایک بیٹی کی شادی پر ربوہ سے خاندان مسیح موعود کی خواتین بھی شمولیت کے لئے تشریف لائیں۔تو علاقے میں کچی کھلبلی دیدنی تھی۔ان کے گھر کے ساتھ ہی ہمارے قادیان کے ہمسائے اور مہربان ماسٹر نذیر احمد رحمانی رہتے تھے۔ان کا بیٹا سعید رحمانی میرے بڑے بھائی کا کلاس فیلو اور بیگم میری والدہ کی بہنوں جیسی تھیں اور آج بھی اس خاندان سے تعلق قائم ہے۔ہماری گلی کے تقریباً سامنے ہسپتال کے گیٹ کے کی طرف جانے والی گلی میں ایک کوچہ بندی پر چھتے مکان میں اصغر بنگالی جسے اس کی بے اولاد بڑی بہن نے گود لیا ہوا تھا اور بہنوئی

قاسم خان رہتے تھے وہ مین گلی میں درزی کا کام کرتے۔ بعد میں ربوہ آ کے فوت ہوئے اور اصغر ساٹھ کی دہائی میں اپنی بہن ساتھ لے مشرقی پاکستان برہمن بڑیہ اپنے باقی خاندان سے جاملا۔ اور وقفے وقفے سے بذریعہ خط ملاقات ہوتی رہی۔ 1991 جلسۂ قادیان پر بنگلہ دیشی مہمانوں کی قیام پر چلا گیا تو ان کے داماد سے ملاقات ہو گئی۔ اور بذریعہ ترجمان حال احوال ہوئے۔ اصغر کے گھر کے ساتھ کوچہ بندی میں ماسٹر سعد اللہ صاحب (غالبا جغرافیہ) رہتے تھے۔ سکول میں ان کی پارٹ دار آواز کے علاوہ ہوم ورک نہ کر کے آنے والوں سے مخاطب ادا کردہ تکیہ کلام۔۔ "۔گھروں سنکھ وجاؤندے آجاندے نے" آج بھی ان کے پیار کی یاد دلاتے گونجتے ہیں۔۔ ان کا عزم اور صبر ہمارے لئے اب بھی ایک مثال ہے۔ ماسٹر صاحب کو ایم اے کرنے کی بہت خواہش تھی۔ مگر گھریلو اور سکول کی مصروفیات کے باعث اور شاید خود ہی گھر تیاری کرنے میں قدرتی کمی رہ جانا یا اس زمانے میں پرائیویٹ ٹیوٹرنگ کا کوئی بندوبست نہ ہونا۔ ہر سال ہی ان کے امتحان دینے اور پھر کامیاب نہ ہوسکنے کی خبر آتی۔ میری یادداشت کے مطابق جب ہم چوتھی کلاس میں تھے تب بھی انہوں نے ایم اے کا امتحان دیا تھا۔ آٹھویں جماعت میں جب ہم سیالکوٹ کے سکول چلے گئے تب بھی یہی خبر تھی، تاہم جب ہم کالج میں تھے تو ان کے ایم اے پاس کر لینے کی خوشخبری سن لی تھی۔ جتوتھان سے سٹیشن جانے والی مین سڑک پر منڈی کے گیٹ کے تقریباً سامنے جناب عبداللطیف لون صاحب رہتے اور ان کا بیٹا عبدالباسط میں اور اصغر بنگالی کا تگڈم سکول کے بعد کا اکثر حصہ کسی نہ کسی کے گھر گزارتے، گویا ہر گھر کا حصہ تھے۔ ڈھاکہ یونیورسٹی سے ایم بی بی ایس امتحان کا آخری پرچہ دیتے بے ہوش ہونے کے بعد خون کے سرطان نے ہمارے اس دوست کو مستقل جدا کر دیا۔

یہ گلی دوسری طرف کھلی سڑک کہہ لیں۔ جس پر ہسپتال کا داخلی گیٹ بھی تھا۔ پر جا کھلتی۔ اس میں ایک بلڈنگ غالبا منصف والی بلڈنگ تین چار منزلہ رعب دار عمارت (اس عمر کے لحاظ سے) جب ہمارے سکول کا ہاسٹل بن گئی تو سکول اور چنیوٹ کے احمدیوں کی رونق میں اضافہ ہو گیا۔ اور دوسرے شہروں سے احمدی طالبعلم آنے شروع ہو گئے اور ملتان سے انعام اللہ اختر (ایس ای واپڈا) جیسے عمر بھر دوستی نبھانے والے اور کئی یاد رہنے والے۔ لائل پور سے لطیف لائل پوری۔۔ شاید دنیا پور وہاڑی ملتان علاقے سے آئے انور حسن۔ نور احمد ناصر۔ ارشد بیگ وغیرہ دوستیاں نبھاتے یادیں دل میں چھوڑ گئے۔ بعض استاد بھی اس ہوسٹل اور سڑک پر تھے۔۔ ماسٹر حسن محمد۔ ماسٹر محمد حسین یاد ہیں۔ ماسٹر ابراہیم ناصر صاحب۔ ماسٹر عبدالقدیر صاحب۔ اس سڑک پر سکول کی طرف جاتے ایک گندا نالہ گزرتا تھا۔ بائیں طرف اسی نالے کے ساتھ آتی سڑک پر محترم بزرگوار سیّد محمود اللہ شاہ صاحب ہیڈماسٹر تعلیم الاسلام سکول کی وسیع رہائش گاہ تھی۔ ان کی دل آویز محبت کرنے والی شخصیت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اس وقت چنیوٹ میں بجلی نہیں تھی۔ پورے شہر میں بیٹری سے چلنے والے دو ریڈیو تھے ایک شاہ صاحب کے گھر اونچے بانسوں سے بندھا ایریل اور دوسرا پہاڑی کے اوپر کسی گھر میں جنہوں نے اور بلندی پر ایریل لگا رکھا تھا۔ وہ خبروں کے وقت کھڑکی کھول اونچی آواز کر دیتے اور بعد میں کرکٹ کمینٹری سننے والے مجمع کی طرح خبروں کے اوقات ان کے گھر کے باہر لوگ اکٹھے ہوتے۔

جس دن قائد اعظم کی وفات ہوئی۔ شاہ صاحب کا ریڈیو سکول میں لا رکھا گیا۔ تمام کلاسوں میں وفات کی اطلاع کا نوٹیفکیشن سنایا جا چکا تھا۔ تمام کلاسیں ترتیب سے قطاریں بناتے اسمبلی والے تھڑے کے سامنے بیٹھ کوئی دو گھنٹے خاموشی اور غم کی تصویر بنے بیٹھے سنتی رہیں اور پھر سوگ میں چھٹی کا اعلان ہوا۔ اب چنیوٹ کا ماحول تو چنیوٹ کا ماحول تھا۔ اساتذہ کو سکول کے سامنے کھیتوں والے زمینداروں اور دوسرے ذرائع سے پتہ چلا کہ سکول کے بہت سے طالبعلم کھیتوں میں چھپ چھپا اور کچھ سرعام سگریٹ پیتے دیکھے گئے ہیں۔ ایک دن صبح اسمبلی میں شاہ صاحب نے انتہائی دل نشیں انداز میں قادیان کے ماحول جماعتی روایات ہدایات سگریٹ نوشی کے نقصانات کا ذکر کرتے اس دکھ بھری اطلاع کا ذکر کرتے اور سچ بولنے کی تلقین کرتے سگریٹ پینے والوں کو کھڑا ہونے کا کہا تو غیر معمولی تعداد تھی۔ میں چوتھی میں اور تھا بھی مانیٹر (الحمدللہ دوسری سے آٹھویں تک۔ جب تک اس سکول میں پڑھا یہ ذمہ داری رہی) اور بشمول میرے کلاس میں دس لڑکے کھڑے تھے۔ آپ نے سب سے سگریٹ نہ پینے کا وعدہ لیتے معاف کیا۔ یہ انداز اتنا پر اثر تھا کہ ہم آٹھ نے تو پھر کبھی ہاتھ نہیں لگایا۔ اصغر بنگالی نہ چھوڑ سکا۔ ایک کا پتہ نہیں۔

اور جوں اس کی آبادی ہونی شروع ہوئی لوگوں کا شوق انہیں کھینچتا گیا۔ ادھر ٹرین کے اوقات مناسب تھے۔ ربوہ ٹرینیں سٹیشن بننے کے ساتھ ہی رکنا شروع ہو گئی تھیں۔ رعائتی پاس مل جاتے تھے۔ چنانچہ ربوہ منتقل ہوتے جاتے اور وہاں آ کر بستے طالبعلم اور اساتذہ کی قطار صبح ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ چنیوٹ

سٹیشن سے سکول آتی اور بعد دوپہر جاتی نظر آتی۔بہت سے طالبعلم اور اساتذہ ربوہ سے سائیکل پر آتے جاتے۔سنگل سڑک پر دونوں طرف ریت جس میں ایک پیڈل بھی نہیں مارا جاسکتا۔بس کمپنیوں کی شکایت اور منتیں بھی آتیں کہ بچے سڑک چھوڑتے نہیں اور بس کا نرم ریت میں دھنس کر الٹنے کا خطرہ ہوتا ہے۔سکول انیس سو اکاون(1951) میں ربوہ منتقل ہونے پر یہ ٹریفک الٹ ہوگئی۔لڑکیوں کا سکول ربوہ قائم ہونے پر چنیوٹ سے لڑکیاں ٹرین پر ربوہ آتی جاتیں اور چنیوٹ کے پرانے باشندے تعلیم کے لئے اس محنت عزم اور قربانی پر حیران ہوتے۔

جب ہم پانچویں میں تھے تو سکول کے سامنے والے کھیت کا کچھ حصہ سکول نے ٹھیکے پر لے لیا اور تقریباً آٹھ ضرب چھ فٹ کے پلاٹ بنا طلباء کو ماسٹر اللہ بخش صاحب عرف زراعتی صاحب کی نگرانی میں طلباء کو زراعت کے شغل پہ لگا دیا گیا۔وہ سبق کینیڈا آ کے فائدہ دے گئے۔مولیاں گاجریں شلغم دھنیا وغیرہ بیجے گئے اور فصل تیار ہونے پر چند آنے کے حساب سے خواہشمند طالبعلموں نے اس پلاٹ کی پیداوار خریدے۔سردیوں میں صبح نمک مرچ چھوٹا چاقو جیب میں ہوتا سکول وقت سے آدھ پون گھنٹہ پہلے آتے۔اپنی فصل کاٹتے کھاتے۔

بڑے بھائی شفیق (اب ریٹائرڈ سرجن ڈاکٹر۔شکاگو) تو شکار اور اس قسم کے اشغال کے شوقین تھے وہ ظفر اقبال ایک عنایت نامی اور دوسرے دوستوں کو ساتھ لئے علی الصبح نکلتے غلیل سے شکار ہوتا اور بھون کھا کر وقت پر سکول پہنچتے۔انیس سو پچاس(1950) کے بڑے سیلاب کے بعد سکول اور ریلوے لائن کے درمیان اور دوسری طرف بڑے بڑے گڑھے پانی سے کئی ہفتے بھرے ان کے تیرنے اور مچھلی شکار گاہ کا کام دیتے رہے۔

ربوہ کی ٹاؤن پلاننگ مکمل ہوتے ہی والدہ بار بار چکر لگا دارالرحمت میں دو دو کنال کے دو متصل پلاٹ اقصیٰ پھاٹک کراس کر کے کے سٹیشن جاتی سڑک پر اور ایک کنال اس سڑک کے مسجد اقصیٰ سڑک کے کونے والا خرید چکی تھیں والد صاحب کلکتہ سے انیس سو پچاس میں چکر لگانے کے بعد اگلے سال مستقل آنے کے لئے کاروبار سمیٹ کر آنے کا پروگرام بنا چکے تھے بھائی رفیق انیس سو اڑتالیس میں چند اور دوستوں کے ہمراہ جہاد کشمیر کیلئے فرقان فورس ٹریننگ حاصل کر کے جنگ بندی کے بعد ایک لڑکے سے مضبوط کڑیل جوان کی صورت واپس آ چکے اور تعلیم ختم کرتے ربوہ میں مکان تعمیر کرانے میں مصروف تھے۔جو ربوہ کی باقاعدہ آبادی کی تعمیر کے اولین مکانوں میں تھا ربوہ میں سکول کی عمارت اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ انیس سو اکاون(1951) میں سکول ربوہ منتقل ہو گیا ابھی ہمارا مکان مکمل نہ ہؤا تھا کہ اینٹ سریا سیمنٹ لکڑی ہر چیز ابھی لائل پور سے لانا پڑتی۔لہذا دو تین ماہ میں اور شفیق بھائی سائیکل پر چنیوٹ سے ربوہ سکول آتے جاتے۔بس والوں کے شکوے بڑھاتے رہے۔ہم مکان مکمل ہونے پر ربوہ جا چکے تھے۔سکول منتقل ہونے سے قبل چنیوٹ کے اکثر رہائشی ربوہ آ چکے تھی اور تعلیم الاسلام سکول کی عمارت شاید گورنمنٹ نارمل سکول کا بورڈ لگا چکی تھی۔

آج ستر سال گزر چکے۔کبھی برف باری دیکھتے۔کبھی بارش کی پھوار کے مزے لیتے کبھی لمبے سفر پر کار میں سیٹ لمبی کئے آنکھیں موندے نیم دراز۔ان تمام درمیانی سالوں کی راحتیں آزمائشیں مشکلیں فضل ہائے ربی سے گزرتے پھر وہ ہی چنیوٹ میں کنویں کے پاس لگی کلاس کے اور شام کو فٹبال کھیلتے ساتھی اور کبھی وہ کنویں میں گر جانے والا فٹبال سامنے لہراتے نظر آتے ہیں۔چنیوٹ بازار جاتے حافظ عبدالعزیز صاحب کو روک کر وقت پوچھتا لئیق احمد جسے وہ شفقت سے جیب میں پڑی خصوصی گھڑی نکال انگلیاں پھیر وقت بتاتے۔اور شرط لگا کر کوشش کرنے والے کہ ماسٹر نذیر احمد رحمانی صاحب کو دور سے آتے دیکھ ان کے السلام علیکم اونچی آواز سے کہنے سے پہلے پہلے سلام کر لیا جائے اور ہمیشہ ہار جانے والے نظارے۔اور وہی لذت اور لطف آنے لگتا ہے جو اس گلی میں اونچ نیچ کھیلتے مسجد میں اذان دینے پہلے پہنچنے۔تینوں دوستوں میں سے کبھی کبھی کسی کے گھر بیٹھ کر کھیلنے۔سکول کا کام کرنے اور سکول کے زراعتی پلاٹ کی خریدی سوغات نمک مرچ لگا کھاتے آیا کرتا تھا۔

یاد آتے ہیں ایک ایک سب

اکثر شب تنہائی میں — کچھ دیر پہلے نیند سے — گزری ہوئی دلچسپیاں
بیٹے ہوئے دن عیش کے — وہ بچپن اور وہ سادگی — وہ رونا وہ ہنسنا کبھی
وہ کھیل اور وہ قہقہے — یاد آتے ہیں ایک ایک سب — اکثر شب تنہائی میں۔

Universal Conception of Human Rights

Prof. Ch. Muhammad Ali, M.A.

(A lecture delivered by Prof. Ch. Muhammad Ali, M.A., at the Symposium of the First Session of the Philosophical Congress, held at Lahore under the auspices of Punjab University)

The problem of human rights is bound up with the relative status of the individual and authority, particularly the authority of the State. Since the time of the ancient Greeks, there has been an age-long battle between those who prize individual freedom and those who value authority. It will take too long to give even a brief survey of the different theories that have been advanced from time to time with a view of defining the degree of control that the State or the group can legitimately exercise over the individual. It is difficult to dichotomize these theories mutually exclusives classes, but on the whole, we may say that there are two main points of view basic to the great mass of recent writings which deal with this problem.

On the one hand, there are thinkers like Plato and Nietzsche and a host of their followers, who support the view that inequality is the state of man, and society is the supreme regimented hierarchy of the individuals. Consequently, each member of the State must take his proper place in the social structure. “The Philosopher King and the ‘Spiderman’ have the natural right to dictate, and the subjects have no right to question the decisions of the superiors. They must rest content with playing a secondary role in the tightly organized system. Hegel, Marx and others carried this view-point to its logical conclusion and held that certain groups or States were by nature superior to the others and had the absolute right to rule. This, of course, is the distinct characteristic of all totalitarian systems. Opposed to this entire trend is the democratic tradition, the main exponents of which are men like Locke, Rousseau and their followers. They emphasize individual freedom and private enterprise. Both these standpoints are two extremes. To my mind, the most acceptable is the Islamic point of view which avoids both the extremes and tries to affect a synthesis of the two but without their defects.

Islam recognizes that society is a realm of ends; ends being individuals. Unlike Hegelian idealism, it does not hold that society or State is an end in itself, and that the individual exists for the sake of society. Instead, it believes that the individual is an end in himself and the State is the means to this end. The State can and should exercise only that degree of control over the individual which is the minimum necessary for purposes of national security, international peace and the dispensation of public justice. Beyond that the State has no right to trespass over the freedom of the individual. The State exists for the individual and not the individual for the State. Therefore, Islam tolerates no regimentation of thought. The Holy Quran declares in the most unambiguous terms.

"لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ" There is no compulsion in religion.” (2:257)

” Tell them, this is the truth from your Lord; whosoever wishes, he may believer; and whosoever wishes, may disbelieve.” وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۟ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ (18:30)

” You are not placed over them as a task master.” لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ (88:23)

And apart from the freedom of thought it also guarantees the freedom of expression. The Holy Quran says:

” Our duty is merely to convey the Truth.” وَ مَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ (36:18)

It is hardly necessary to comment on this charter of human freedom. It guarantees complete freedom of thought and expression to the individual. It leaves no room for a professional priestly class or an official church. Each individual is responsible for his actions, and he alone is the sole judge in matters of conscience and belief. No one, not even the head of the State, has the right to force the humblest of citizens into or out of what he believes to be true or false. The individual is free to choose and to declare his belief. True, there has emerged at different occasions. A class of people who have arrogated to themselves the right to judge for others, and have paraded as the custodians of public morals and the keepers of social conscience. But such people have never had the sanction of the Islamic Law at their back. The incalculable harm this class has done to this cause of Islam and to the individual freedom is a matter of history. The current misconception about Islam, particularly in the West, are mainly due to these people. It is even said that Islam was spread by force and that Islamic Law allowed apostates to be put to death. Nothing could be farther from the truth. Islam is the religion of freedom, freedom of thought, freedom of expression and freedom of belief and conscience. It recognizes no external authority, not even the authority of the State in matters of religion and conscience. The only authority is recognized is the authority of reason which implies the absence of fear and coercion, and signifies the fullest expression of the human self and is to be distinguished from the narrower Kantian sense.

The Holy Quran clearly says:

“So that he may perish whosoever perishes on the basis of evidence, and he may live whosoever lives on the basis of evidence.” لِیَہۡلِکَ مَنۡ ہَلَکَ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ وَّ یَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۡۢ بَیِّنَۃٍ (8:43)

It might, however, be asked that as Islam is a religion, it cannot with consistency afford to demolish authority, particularly divine authority. Divine Authority is, in fact, the end-all and be-all of all religions. The revealed word is a categorical imperative and is absolutely binding as being true, regardless of the qualms of conscience or rational doubt it may occasion in the mind if the believers. It is pointed out that religion means faith is something which does not admit of rational measurement and judgment, that religious experience is a direct and immediate experience which is accepted by its recipient, and through him by his followers as an unchallengeable truth, and that all along religion is an argumentum and verecundiam except that the authority it invokes is very remote and has come to have a halo of mystery and tradition which invests the experience and its origin with a kind of reality. It is also pointed out that religious values are not demonstrable and inductive values.

This, however, is based on misconception. It is unfortunate that the Islamic view regarding truth and its acceptance as such is not yet generally accessible. It may, however, be noted that religious experience, in order to be accepted as true, must need satisfy the known and established canons of scientific induction. It must be considered at par with ordinary human experience and should admit of being stated in empirical terms. The fact, experience always presupposes a subject. Berkley and Hume´s subjectivism is not wholly an extremist point of view. Even Kantian distinction between phenomena and noumena rests on the same foundation. Descartes` Cogito ergo sum shows that the major premise of the system he tried to raise, consists of the Cogito or the subject. Even Russell with all his talk about truth as a neutral stuff cannot help calling it a subjective-objective monism. Hence religious experience does not suffer in the truth by being subjective. But if it is to be accepted as being judged by the general mass of mankind to whom it addresses itself. Truth values cannot be proved or disproved by a priori methods alone. All generalizations involving such values must fulfil the basic conditions of scientific induction. It is on the basis of this demonstrable, verifiable, and inductive proof that the claims of a prophet or, for that matter, of any true experience, should be based and accepted as being valid by the rational consciousness of man. Religious experience may be different from ordinary experience, but by virtue of the difference it does not cease to be an experience. The belief in a transcendental reality and the revealed word is not based on any magical and compulsive regard for the unknown or the mysterious. Instead, it is based on the firm bedrock of reason, experience, self-consistency and induction, and is finally demonstrable and verifiable. Even to the man who cannot immediately enter, is not against the fundamentals of reason and should not be confused with authority. It is second hand observation. It is employed by all sciences and is accepted as reliable as direct observation. Therefore, faith or belief in the revealed word is not unindicative. We belief in it as we believe in the observation and testimony of this kind, or for that matter in all scientific induction, the appeal is to facts. Once we are sure of the ground of our generalization, and it is found to be guaranteed by facts, we can go ahead with confidence from the known to the unknown, from some to all. This predictive risk, this faith in the inductive method, this scrupulous regard for truth is what constitutes the quintessence of modern scientific generalization. No blind faith or mere dictation, but faith founded on facts. Truth, in order to be true, must be found to be so and must be alignable to standard scientific tests and scrutiny. Interestes that are likely to prejudice or otherwise violate our judgments are denounced by Islam. Shirk, or regard for the false gods of custom, habit, wealth, power, etc., is the greatest sin in Islam. Hypocrisy or Munafiqat or dishonesty of thought, committed through conscious choice, is the next worse. And the most cardinal value is to deny all gods except God, the custodian of Truth, justice and Fair play, and to accept His Prophet as His humble servant, and a Messenger without conferring any supernatural status on him. “I am butt a man like unto you: (but it is only that) God has revealed to me, ” (18: 111) It is in this context that the Holy Quran again and again admonishes us to think and ponder, judge and measure the message and the Messenger, and to subject them to the closest and the most critical scrutiny, even though the facts on which the message is based are definite, clear and incontrovertible. Says the Holy Quran: “That they may think.” (7: I77)

"Do they not reflect; their companion is not of the insane?" اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا ۚ مَا بِصَاحِبِہِمۡ مِّنۡ جِنَّۃٍ (7:185)
"Are the blind and the seeing alike? Do you not then ponder?" ہَلۡ یَسۡتَوِی الۡاَعۡمٰی وَ الۡبَصِیۡرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَکَّرُوۡنَ (6 :51)
"Surely there are signs in this for a people who reflect." اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ (13:4)
"Thus, do we enumerate and explain in signs for a people who reflect." کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ (10:25)
"Surely there are signs (in nature) for a people who reflect." اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ (16:12)
"Thus, does Allah make plain to you His signs that you may think." کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَتَفَکَّرُوۡنَ (2:220)
"Certainly, we have explained to you the signs only if you understand." قَدۡ بَیَّنَّا لَکُمُ الۡاٰیٰتِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (3:119)
"So that you may understand." لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ (2:74)
"Have you then, no intelligence?" (2:45)
Are you not, therefore, fully reminded? (6:81)
"Why not a party from each comes forward to acquire an understanding of the faith?" (9: 123)
"Will they not then meditate on the Quran?" (4: 83)
"That they may ponder over its verses. "(38:30).
Thus, it sets up reason and rational methods as the sole criterion of truth. It does not allow the use of force to stifle thought, for force may silence but cannot convince. As a matter of fact, it cannot even silence. That is why the Holy Prophet Muhammad (on whom be peace) said that honest difference of opinion is a blessing. A society or a state, which does not tolerate difference of opinion or denies even the right to beg to differ, cannot with consistency attach value to truth, honest thinking and freedom of judgment. Coercion breeds distrust and hypocrisy. lt also betrays a serious lack of proof and argument. That is why the Holy Quran declares:
"There is no coercion in Religion." (2: 257)
lt, therefore, leaves no room for the regimentation of thought and purpose brought about under duress. It is in this context that the place of the moral reformer is to be considered. He raises his voice against the established order through constitutional means. He is allowed perfect liberty to Judge the current values that obtain in a particular society, He is further allowed to express his judgments and opinions publicly. In other words, not only is he allowed to think but to think aloud. In this sense he is a true revolutionary. And the revolution he tries to bring about is the bloodless and the peaceful revolution in the realm of ideas and values. But he is not an anarchist; nor is he a frustrated maniac. His methods are not self-contradictory; he does not preach freedom and practice force and coercion to impose his views on others. Reason and proof are the only weapons in his armoury. He appeals directly to the consciousness of the individual. His duty is merely to convey his message.
"And our duty is only to convey the message of Truth" (36: I8)
It is for each individual separately to believe or not to believe, accept or not to accept. It is none of his business to force people to believe as he does and compel them to conform to his views. The Holy Quran emphatically declares:

"Tell (them), this is the Truth from your God. If you like, accept it, you like, reject it." (I8-30)

And if people do not accept his message he is not held responsible for what they choose to do. For similar reasons, Islam does not allow the individual the right to physical revolt against the society whose member he happens to be. This is to emphasize the need and role of freedom in matters of belief and conscience, and to insulate the social structure against disruption and anarchy. It, however, grants to the individual the right to disagree and express that disagreement publicly. But he has no right to revolt and use force to prove the Bonafede's of his case, or to counter the force of social opinion by rising in armed rebellion. It distinguishes between reform and revolt, change and destruction. It believes in change and reform through peaceful, just and fair methods. If society does not give to the individual the right to reform and disagree, that is, if it does not give him the right and chance to think and act honestly, and forces him to forsake his views under threat of pain, then Islam recognizes the individual´s right to leave that society and migrate to some other place, where he can hold views consistent with the verdict of his reason and conscience and can suit his actions to his beliefs. But it does not allow him to retaliate in kind. Thus, except for defence, Islam banishes the use of swords, and encourages the freedom of thought and expression. That is why the Holy Prophet (on whom be peace) encouraged the spirit of inquiry and scientific outlook placing a premium on the Socratic maxim, that knowledge is virtue, and advised the Muslims to acquire knowledge even if they had to go to China. Islam thus demolishes all barriers to free thought. Kant very nearly summed up the Islamic position when he pointed to "the starry heavens above and the moral law within." Thus, to my mind, what may be called the quintessence of Islam, is the twin principia of the Divine Law and the right of the individual to judge and accept or reject that law in the light of the verdict of his own reason and conscience. The false gods or what Bacon calls the idols of the tribe, market and theatre are once and for all dethroned and removed from their pedestals and levelled to the ground. Be it a State or a superman, the proletariat or a majority parry, power or wealth, Church or custom, none has the authority though it may sometimes conspire to have the power, to dictate and suppress freedom.

On the other hand, while Islam safeguards the freedom of the individual, it also recognizes the negative possibilities of what Plato would call the mob rule. In the words of Russell, "A society, where each is the slave of all, is only a little better than one, where each is the slave of a despot." Individual freedom in democracy is only skin deep. It is more apparent than real. The so-called freedom of individual enterprise results in rank social and economic injustice. The capitalist class holds the reins of power, wealth and propaganda. True, it allows opposition to government policies and freedom of belief and propaganda, which is not allowed under totalitarian systems, and is, therefore, to be preferred to them to that extent. But even under democracy opinion is too highly organized to allow any scope for free and independent thinking. The independent member of the house is a solitary and an amusing figure, which has no authority and a doubtful future unless he gives up his independence and decides to merge with some party. In fact, communism is the direct result of the economic and social injustices that have been committed in the name of democracy. The choice,

therefore, has to be made between Marxism and Democracy, police rule and mob rule, regimentation and license. These may be catch-phrases but they do bring out the inherent defects of either side. lslam tries to avoid these extremes and tries to follow the middle course. Like Plato it does not foist a superior intellectual aristocracy denying the workers and women even the right to think for themselves. Nor does it impose an absolute autocrat, whose will is law and who is responsible to none except himself as is done by Nietzsche and others. It does not set up a "classless class" of a ruling hierarchy which considers the freedom of the individual a dangerous tendency and a bourgeois illusion, and thinks of religion as the opium of the masses denying even the right to think otherwise.

In Islam the Caliph or the head of the State is a Constitutional Head with a Divine Law and Constitution that is, the Holy Quran. He is duly elected and is not above this Law and Constitution, which he is bound to obey most scrupulously in all its details and which he himself has accepted on the basis of reason. He cannot cancel or modify any part of the law. He is, however, not bound to submit to the dictation of mere numbers or a blind majority. Within the Law, he can exercise his discretion to save a Socrates or a Christ from the fury of the mob. But he does not and has no right to violate or flout the Divine Law and Constitution. It is his duty to see that the vested interests do not make it difficult for the humblest of citizens to think freely. It is clearly laid clown that he must invariably seek advice. The Holy Quran says:

"Seek counsel from them in the affairs." (3: I60)

Again, it says:

"They take decisions after mutual consultation." (42:39)

Thus, it is necessary that no taboo is placed on offering free advice. Conditions should be created which are conducive to the free exercise of the right to vote. The Holy Quran makes it a condition precedent to the right to vote, that the vote must go to the deserving person. It says:

"Surely, Allah commands you to make over trusts to the deserving of it." (4:59)

In the Islamic State none is too humble and unworthy to offer advice and none is too great and perfect to receive it. The only condition is that advice must be positive and constructive, honest, just and fair and must not militate against the legitimate rights of other individuals. The Holy Quran says:

"And when you speak, be just." (6:153)

As a further precaution against injustice, the judiciary is guaranteed complete independence. Even the Head of the State can be summoned to a judicial court as an ordinary citizen. No considerations of fear or favour should weigh with the court, and it must not allow its impartiality to be corrupted at any cost. It further refuses to accept any distinctions between man and man. Even the Holy Prophet (on whom be peace), who to the Muslims is the best and the greatest of human beings, is to be taken as a human being. The Holy Quran says:

"(O Prophet of God), tell them, I am a man like unto you except that I am the recipient of divine inspiration." (18: 111)

It is not possible to discuss here the detailed rules laid down by Islam to ensure justice and equity and abolish all economic, social, cultural and intellectual exploitation of man and woman alike. While it tries to draw the line between freedom and license, it

clearly defines the rights and duties of the State and the individual. lt prescribes effective safeguards at the individual, national and international levels against all kinds of aggression, and tries to stop the vested interests from making inroads against the rights of the individual. It raises the individual from a mere means to the exalted position of an end, from a biological specimen to a human being, the best of God's creation and offers limitless possibilities for the realization of the best in him. It is to be hoped that after having suffered tremendous losses in men and material, human dignity and moral worth, man may yet save himself and rediscover Islam. I cannot help quoting here the concluding passage of Bertrand Russell's book 'Religion and Science', in which he says:

"Those to whom intellectual freedom is personally important may be a minority in the community. But among them are the men of most importance to the future. If they are prevented from doing their work and having their due effect, the human race will stagnate, and a new Dark Age will succeed, as the earlier Dark Age succeeded the brilliant period of antiquity. New truth is often uncomfortable, especially to the holders of power; nevertheless, amid the long record of cruelty and bigotry, it is the most important achievement of our intelligent but wayward species.

دو گھڑی صبر سے کام لو ساتھیو! آفت ظلمت و جور ٹل جائے گی
آہِ مومن سے ٹکرا کے طوفان کا، رُخ پلٹ جائے گا، رُت بدل جائے گی

تم دعائیں کرو یہ دعا ہی تو تھی، جس نے توڑا تھا سَر کبرِ نمرود کا
ہے اَزل سے یہ تقدیرِ نَمرودیت، آپ ہی آگ میں اپنی جَل جائے گی

یہ دُعا ہی کا تھا مُعجزہ کہ عصا، ساحروں کے مقابل بنا اَژدھا
آج بھی دیکھنا مردِ حق کی دُعا، سحر کی ناگنوں کو نِگل جائے گی

خوں شہیدانِ اُمت کا اے کم نظر! رائیگاں کب گیا تھا کہ اَب جائے گا
ہر شہادت ترے دیکھتے دیکھتے، پھول پھل لائے گی، پھول پھل جائے گی

ہے ترے پاس کیا گالیوں کے سوا، ساتھ میرے ہے تائیدِ رَبّ الوریٰ
کل چلی تھی جو لیکھو پہ تیغِ دعا، آج بھی، اِذن ہو گا تو چل جائے گی

دیر اگر ہو تو اندھیر ہر گز نہیں، قول اُملِیْ لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْن
سنت اللہ ہے، لاجرم بالیقیں، بات ایسی نہیں جو بدل جائے گی

یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا، پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا
تیری آواز اے دشمنِ بدنوا! دو قدم دور دو تین پل جائے گی

عصرِ بیمار کا ہے مرض لادوا، کوئی چارہ نہیں اب دُعا کے سوا
اے غلامِ مسیحُ الزماں ہاتھ اٹھا، موت بھی آگئی ہو تو ٹل جائے گی

تعلیم الاسلام کالج کے دو خوش نصیب شہید طلباء

(پروفیسر محمد شریف خان۔امریکہ)

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

کہتے ہیں درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام سات دہائیوں سے زائد عرصہ بالخصوص نوجوانانِ احمدیت کی علمی اور عملی سیر ابی کا چشمہ بنا رہا۔ مدرسہ میں مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تعلیم کے باعث طلباء کی سوچوں میں وسعت، نیکی، مذہبی اور انسانی اقدار سے محبت، امن اور بھائی چارے کی اہمیت اجاگر ہوئی۔ طلباء کے ذہنی جلا کے ساتھ ساتھ کھیلوں کے اعلیٰ انتظام کے باعث ان کی جسمانی صحت کا خیال بھی رکھا جاتا۔ یہ ادارہ ہر قسم کے دنگا فساد، سیاسی رجحانات، مار پیٹ سے پاک، صحت مند ماحول میں۔ فَاسْتَبِقُوْا الْخَيْرَاتِ۔ کی رہ نمائی کے تحت پون صدی سے زائد خدمتِ خلق سے سرشار نوجوان پیدا کرتا رہا۔ لیکن اچھے بھلے کام کرتے ادارے کو قومیا کر کے اسے سرکاری اداروں کے سپرد کر کے اس ملک و ملّت کے خادم، سالوں سے قائم مثالی تدریسی ادارے کا ماحول تھوڑے ہی عرصے میں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا گیا۔

محض اللہ تعالیٰ کے فضل، بزرگوں کی دعاؤں، اور مخلص اساتذہ کے طفیل اس عظیم مادرِ علمی سے فارغ التحصیل طلباء زندگی کے ہر شعبے میں ملک و ملت کی خدمت کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ اور بیرونِ ملک کٹھن سے کٹھن امتحانوں میں سرخرو ہو کر انسانی خدمت بجالا رہے ہیں۔

آج اس عظیم ادارے کے دو ہونہار طلباء کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو اپنے مضبوط کردار کے باعث اپنی مفوضہ ڈیوٹی اور عقیدے کی حفاظت کی خاطر اپنی جان تک کا نذرانہ خدائے واحد و یگانہ کی خدمت میں پیش کر کے رہتی دنیا تک امر ہو گئے۔

ان شہیدانِ وفا کا ہم پر قرض ہے کہ ہم انہیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ اللہ کرے ہماری نسلوں میں احمدیت کو ان سے بڑھ کر جاں نثار ملیں۔ آمین۔

محمد منیر خان شامی شہید (1927-1947ء)

یہ نوجوان محترم ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب ابو حنیفی کے منجھلے بیٹے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے واقفِ زندگی تھے۔ انہیں سائنس کے مضامین میں ایم ایس سی کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ آپ 1947ء میں، تعلیم الاسلام کالج قادیان میں بی ایس سی کے پہلے سال کے طالب علم تھے۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع اور علمی ذوق بہت عمدہ تھا۔ انگریزی اور اردو کتب، رسائل و جرائد آپ کے مطالعہ میں رہتے۔ آپ اپنے محلے کی مجلس خدام الاحمدیہ کے فعال رکن تھے۔ اور ایک شریف نوجوان کے طور پر جانے جاتے تھے۔ کالج کے طلباء کے ساتھ مل کر بزمِ سخن بنائی ہوئی تھی جس کے ہفتہ واری اجلاسات میں ہر ممبر گذشتہ ہفتہ کے دوران اپنے مطالعہ کا ماحصل پیش کرتا، ہلکی پھلکی تحریریں صحت مند علمی تفریح مہیا کرتیں۔ یہ دور سیاسی لحاظ سے بڑے فساد کا دور تھا۔ اسرائیل کی ریاست دھونس سے قائم کی جا رہی تھی۔ ملک میں تحریکِ آزادی آئے دن رخ بدل رہی تھی۔ عربوں کے ساتھ مسلمانانِ عالم کے دل دھڑکتے تھے۔ چنانچہ عربوں سے ہمدردی پر منیر کے دوست اسے ”منیر شامی“ کے نام سے پکارتے۔ والد ملازمت کے

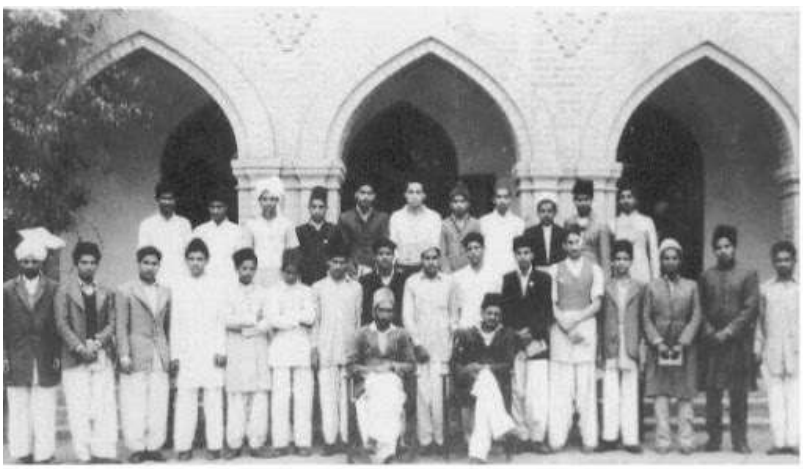

Muhammad Munir Shami (Shaheed) extream left standing, T. I. College, Qadian, 1946

سلسلے میں افریقہ میں مقیم تھے۔گھر اور چھوٹے بہن بھائیوں کی نگرانی بھی منیر کے سپرد تھی۔

1947ء کے پر آشوب دَور میں ملکی بٹوارے کے وقت جب قادیان کی آبادی پاکستان منتقل ہو رہی تھی، نوجوانوں کو نظام جماعت کے تحت آبادی کے انخلاء میں مدد دینے کے لیے اپنے محلوں میں ٹھہرے رہنے کی ہدایت تھی۔ سکھ بار بار حملے کر رہے تھے۔گھر میں دونالی بندوق تھی۔ایک ایسے ہی حملے کے دوران منیر نے دن کے وقت تو سکھوں کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ آخر کار سکھوں نے رات کے اندھیرے میں موقع پا کر پیچھے سے وار کر کے شہید کر دیا۔جب خدام صبح منیر کی خیریت معلوم کرنے گئے تو دیکھا کہ منیر چاروں شانے چت صحن میں خون سے لت پت پڑے تھے، پیٹ چاک تھا، انتڑیاں باہر نکلی ہوئی تھیں۔اور ان کی روح کبھی کی قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔اِ نَّاللّٰہِ وَ اِ نَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جب منیر کے والد ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب کو اپنے جواں سال بیٹے کی شہادت کی خبر دیارِ غیر افریقہ میں ملی تو انہوں نے خدا تعالیٰ کی توفیق سے یہ صدمہ بڑی بہادری سے برداشت کیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ نے ”تذکرہ شہدائے احمدیت“ کے سلسلۂ خطبات میں 11/جون 1999ء کو مسجد فضل لندن میں محمد منیر خان شامی صاحب شہید کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں فرمایا:

”مکرم محمد منیر صاحب شامی مکرم ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب ابو حنیفی کے ہاں تنزانیہ میں... پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔1947ء کے دوران آپ تعلیم الاسلام کالج قادیان میں بی ایس سی کے طالب علم تھے۔ آپ واقفِ زندگی تھے اور عربوں سے اپنی ہمدردی کی وجہ سے آپ کو لوگوں نے شامی مشہور کر دیا حالانکہ ملکِ شام سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا لیکن عربوں سے محبت ضرور تھی۔

اوصافِ حمیدہ

آپ خاموش طبع محنتی طالب علم تھے۔انگریزی زبان پر عبور حاصل تھا۔جماعت سے انتہائی محبت اور عقیدت رکھتے تھے۔امامِ وقت کے ہر حکم پر لبیک کہنے والے تھے۔مطالعہ کا بہت شوق تھا۔مکرم ماسٹر چوہدری فضل داد صاحب مرحوم لائبریرین بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کالج لائبریری کی تمام کتب پڑھ لی تھیں۔

واقعہ شہادت

آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق اپنے گھر دارالرحمت قادیان بر مکان پروفیسر مولانا خان ارجمند خان صاحب مرحوم محلہ کی حفاظت کے سلسلہ میں مقیم تھے۔گھر میں دونالی بندوق تھی۔اِدھر اُدھر سے سکھوں کے ہونے والے حملوں کے دوران خوب مقابلہ کرتے رہے۔ ایک رات سکھوں نے ان کے گھر کی دیوار پھاند کر اندھیرے میں آپ پر حملہ کیا اور آپ کو شہید کر دیا۔جب خدام کو حکم ہوا کہ وہ ہوسٹل میں جمع ہو جائیں تو آپ کو نہ پا کر بہت پریشان ہوئے جب پتہ کیا گیا تو آپ کو گھر کے صحن میں چت پڑا پایا گیا۔ آپ کی انتڑیاں باہر نکل چکی تھیں اور آپ اللہ کی راہ میں شہید ہو چکے تھے۔اِ نَّاللّٰہِ وَ اِ نَّآ اِلَیْہِ رَا جِعُوْنَ۔ آپ کے والد صاحب جو اِن دنوں تنزانیہ میں تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت مخلص انسان تھے۔دراصل ان سے اخلاص ورثہ میں پایا تھا۔ان کی ڈائری کے اندراج بتاریخ 3 ستمبر 1947ء یہ پر خلوص عبارت درج ہے:

”آج قادیان میں عزیز محمد منیر خاں شامی نے شہادت کی سعادت پائی۔الحمدللہ رب العالمین۔“

پسماندگان

آپ غیر شادی شدہ تھے، آپ کے تین بھائی اور ایک بہن زندہ ہیں۔سب سے بڑے بھائی ڈاکٹر محمد حفیظ خان صاحب آج کل ٹورانٹو میں رہتے ہیں۔ان کے دو چھوٹے بھائی بھی تھے۔محمد معین خان صاحب لاہور (حال مقیم میامی۔فلوریڈا، امریکہ۔ناقل) میں اور پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب ربوہ (حال مقیم فلاڈلفیا، امریکہ۔ناقل) میں مقیم ہیں۔جب کہ ان کی بہن خدیجہ بیگم صاحبہ مانٹریال میں آباد ہیں۔“ (الفضل ربوہ، 7/ستمبر 1999ء)

محمد منیر خان صاحب شہید خاکسار راقم الحروف کے بڑے بھائی تھے۔ہمارے والد صاحب ڈاکٹر حبیب اللہ خان صاحب مرحوم اپنی زندگی کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے۔

”ڈڈوما۔ تنزانیہ کے ہسپتال میں ایک دن ادھر اُدھر جاتے ہوئے میرا پاؤں پھسل گیا تو دوسرے ڈاکٹروں نے جو سب انگریز تھے مزاحاً فقرہ بازی کی کہ ”لگتا ہے ڈاکٹر خان کے بچے رات کے وقت خان کو سونے نہیں دیتے، اس لیے دن کے وقت پھسل پھسل پڑ رہا ہے۔ بھلا ہمیں بتاؤ تو سہی اتنے بچوں کا کیا کرو گے؟“

میں نے انہیں جواب دیا:

God willing, I will make of them a doctor, an engineer, a clergy man and a teacher!

(انشا اللہ، میں ان میں سے ایک ڈاکٹر، ایک انجنیئر ایک مربی اور ایک استاد بناؤں گا)۔

پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہتے: ”اللہ تعالیٰ نے میری خواہش کو بہتر رنگ میں پورا کیا اور مجھے ان بچوں میں سے ایک شہید بھی عطا کر دیا۔ فالحمدُ للّٰہِ علی ذالک“

مبشر احمد صاحب چندھڑ شہید۔ گکھڑ منڈی

گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ کے مقامی گھرانوں میں چندھڑوں کا گھرانہ سب سے نمایاں تھا۔ چندھڑ خاندان کے جد چودھری نواب خان جھنگ میگھیانہ میں سکونت پذیر تھے۔ ان کی شادی سیالکوٹ کے ایک احمدی گھرانے میں ہوئی اور وہ احمدی ہو گئے۔ جب ان کے بھائیوں کو یہ خبر ہوئی تو ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ایک سکھ کو انعام کا لالچ دے کر چودھری صاحب کا سر لانے کی سازش کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے چوہدری صاحب کو دشمن کے وار سے بچایا۔ ان حالات کے پیشِ نظر سارا خاندان ہجرت کر کے گکھڑ آبسا۔ جہاں زمینوں اور آڑھت کی آمد سے گزر بسر ہونے لگی۔

مجھے یہاں چودھری صاحب کے بیٹے امانت علی صاحب مرحوم کے ہونہار بیٹے مبشر احمد کا ذکر کرنا مقصود ہے۔ عزیزم مبشر احمد نے گکھڑ ہائی اسکول سے اغلباً 1962ء میں میٹرک امتیازی نمبروں سے پاس کیا۔ والدین نے اچھی تعلیم اور تربیت کی خاطر تعلیم الاسلام کالج ربوہ ایف ایس سی میں داخل کروا دیا، اگرچہ ارد گرد گوجرانوالہ اور وزیر آباد میں کالج مہیا تھے۔ عزیزم خوبصورت، صحت مند، ہنس مکھ منفرد نوخیز جوان تھا۔ میں ذاتی طور پر عزیزم کو بچپن سے جانتا تھا۔ ان کا ہنستا ہوا چہرہ اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اس کی طبیعت میں ایک طرح کا ہلکا پھلکا مزاح تھا۔ بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ مؤدّب رہتا۔ مجلس اور جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا۔

مبشر احمد نے اپنی لیاقت اور خوش خُلقی کے باعث کالج میں سب کا دل موہ لیا تھا۔ عزیزم مبشر احمد موسمِ گرما کی چھٹیاں گزارنے گھر آیا ہوا تھا۔ ایک دن بازار میں گزر رہا تھا کہ ایک اوباش قصائی عزیزم کے پیچھے چھری لے کر دوڑ پڑا اور مبشر احمد احمدیت پر جان نثار کرنے کا فخر حاصل کر گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ان دنوں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ، کراچی تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ جب انہیں مبشر احمد کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس کا احوال مکرم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب نے تاریخ احمدیت جلد 9 صفحہ 143 پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”جب مرحوم مبشر احمد گکھڑ جو بے حد ہونہار اور نیک اور ذہین طالب علم تھا قتل ہوا۔ اور آپ (یعنی پرنسپل صاحب۔ ناقل) کی خدمت میں شام کو کراچی میں ضمناً ایک لڑکے مبشر احمد کی اطلاع کی گئی تو رات گئے غالباً بارہ ایک بجے کا وقت ہو گا کہ آپ کا فون آیا کہ تفصیل بتائی جائے۔ آپ نے فرمایا مجھے نیند نہیں آ رہی اور بے حد بے چینی ہے۔ کیا یہ وہی مبشر احمد تو نہیں جو ہر وقت مسکراتا رہتا تھا؟ افسوس کہ یہ وہی مبشر احمد تھا جس کی وفات پر آپ اس طرح بے چین ہو گئے اور آدھی رات کو کراچی سے فون کیا۔“

اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود جب بھی عزیزم مبشر احمد کی یاد آتی ہے، طبیعت پر ایک خاص قسم کی افسردگی چھا جاتی ہے۔ اور بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عزیز شہید کو اپنی رضا کی چادر میں لپیٹ لے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

ان جیسے جان نثار فرزانوں کے بارے میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ نے کیا خوب فرمایا:

آں رسمِ قتیلانِ محبّت کہ کُہن گشت — ما تازہ کنیم از سرِ نو دارو رسن را
آں منزلِ خُوں بار کہ شُد مقتلِ عشّاق — از مقصد ما ہست بصد جوشِ تمنّا

اگرچہ دنیا محبت الٰہی سے سرشار ہو کر جان قربان کرنے والوں کی روایات کو بھول چکی ہے، مگر احمدیت نے قرونِ اولیٰ کی ان روایات کو از سرِ نو تازہ کر دیا ہے۔ حق و صداقت کے عاشق جہاں اپنی جانیں نثار کرتے رہے ہیں، اُسی قربان گاہ تک رسائی تو ہماری زندگی کا نصب العین ہے۔

دُنیا بھی اِک سَرا ہے بچھڑے گا جو مِلا ہے۔
گر سَو برس رہا ہے آخر کو پھر جُدا ہے
شکوہ کی کچھ نہیں جا یہ گھر ہی بے بقا ہے
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِی

مکرم مرزا عبدالشکور صاحب المعروف گلو بھائی ابن مکرم مرزا عبدالرؤف صاحب مرحوم (سابق امیر جماعت احمدیہ ضلع کیملپور) جو مکرم مرزا محمود احمد صاحب ابن مکرم مرزا عبدالسمیع صاحب کے تایازاد بھائی تھے۔ آپ جرمنی کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے۔ بہت ملنسار اور دوست پرور بھائی تھے۔ بقضائے الٰہی وفات پاگئے ہیں۔ مرحوم کی بلندی درجات کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

خاکسار
شیخ منصور احمد۔ جنرل سیکریٹری۔ ٹکوسا۔ جرمنی۔

مورخہ 21 نومبر 2020 بوقت ایک بجے ہمارے چھوٹے بھائی

محمد طاہر نوید ابن شیخ محمد اکرام صاحب آف نوید جنرل سٹور ربوہ

جماعت احمدیہ لیوبک کا حرکت قلب بند ہونیکی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔احباب مرحوم کے درجات کی بلندی اور لواحقین کو صبر جمیل کے لئے دعا فرماویں۔ مرحوم نے اپنے پیچھے بیوہ کے علاوہ بیٹی داماد دو بیٹے چار بھائی اور ایک بہن چھوڑے ہیں۔ مرحوم انتہائی ملنسار اور خوش مزاج شخصیت کے مالک تھے۔ جماعت احمدیہ لیوبک میں بطور سیکرٹری ضیافت ، سیکرٹری مال اور آج کل بطور ایڈیشنل سیکرٹری مال خدمات بجارہے تھے آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ آپ نے حفظِ قرآن کلاس میں داخلہ بھی لیا تھا اور چند سپارے حفظ کر چکے تھے آپ کا خلافت احمدیہ کے ساتھ انتہائی پیار و محبت کا تعلق تھا۔

مرحوم کی نماز جنازہ Öjendorf قبرستان ہمبرگ میں مکرم لئیق احمد صاحب منیرؔ صاحب نے پڑھائی اور اسی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

محمد ریاض نوید۔ ہمبرگ۔ جرمنی

LETER FROM TAHIR ARIF (PAKISTAN)

Dear Chaudhry Sahib,
Assalam o alaikum wa rematullah
Thank-you for inviting me to contribute to the Souvenir. Having worked with you as the student Editor of Al-Minar English section in 1967-68, I have no doubt that it will be a worthy presentation .
I migrated to T I College Rabwah in first year in 1967 from Government College Sargodha. Similarly, my younger brother Dr. Tayyib Arif also migrated to T I college five years later. I can declare with the fullest emphasis at my command that T I College Rabwah played a vital role in moulding our educational career- nay, our lives in such a way that we were able to achieve successes and win accolades in our later life. We both won College Colour and Tayyib also won role of honour for standing first in the college in Fsc (pre-medical). We both were cabinet members of the student's union also.
The greatest impact that my stay in T I College had on me was that it strengthened my personality and self-belief. I owe a lot to my teachers, my fellow students, my friends and to every environment of T I College Rabwah. I would be failing if I did not mention Baba Shaadi, Shamoon, Laeeq Sahib (dispenser)and our hostel staff who were caring and ever ready to make our lives as comfortable as possible. Now that I have embarked upon this journey down the memory lane, I remember a lot of my old friends and the fun we had together. I cannot join Longfellow in saying:
"Let the dead past bury its dead."
Rather, for each one of those who have left us I say, in the words of Shelley :
"He lives, he wakes 'tis death is dead; not he, mourn not for Adonais."
In fact, I sing along with Keats: "A thing of beauty is a joy forever. Its loveliness increases; it will never
Pass into nothingness"
Tahir Arif

T I College, from its inception and inauguration to the climax and height of its achievement, is a joy forever!
Allah Hafiz,
Tahir Arif .

In an earlier mail he sent from Canada some years back he wrote:
Thank you for your email. I was just so busy that could not reply earlier.
I hope you will forgive.

In fact, I am doing a course at the National Defence college and I was selected to make a presentation to the President.
I shall inshaallah write to you soon.
My sincere regards to you and all friends.
Allah Hafiz
Tahir Arif

بھارت کا چہرہ بے نقاب ہو گیا

24/12/2020 ابونائل (بشکریہ "ہم سب")

انیس دسمبر 2020 کو رات نو بجے دنیا نیوز کی ہیڈ لائنز شروع ہوئیں تو ایک خاتون کی گمبھیر آواز سنائی دے رہی تھی۔

ان خاتون نے فاتحانہ انداز میں پہلی ہیڈ لائن یہ پڑھی:

"سیکولرازم کے دعویدار بھارت کا اصلی چہرہ بے نقاب۔ مودی کے دیس میں انسانی آزادی کی صورت حال بدترین۔ انڈیکس میں انڈیا کی سترہ درجے تنزلی۔ 162 ممالک کی فہرست میں 111 ویں نمبر آ گیا۔ امریکی تھنک ٹینک کی رپورٹ جاری۔"

بھارت اور پاکستان کا باہمی تعلق ایسا ہے جس پر پنجابی کی یہ مثل صادق آتی ہے۔ "شریکاں دا منہ لال ہووے تے اپنا چپیڑاں مار کے کر لو۔" یعنی ہم نے شریکوں کا مقابلہ ضرور کرنا ہے خواہ اس کے لئے اپنے منہ پر خود ہی تھپڑ کیوں نہ مارنے پڑیں۔ جب دنیا نیوز نے پوری قوم کو یہ خوش خبری سنائی کہ امریکی تھنک ٹینک نے رپورٹ جاری کی ہے کہ بھارت میں انسانی آزادی کی صورت حال بدترین ہو چکی ہے تو اس عاجز کو بھی شوق پیدا ہوا کہ دیکھیں ان شریکوں کو کیا زک پہنچی ہے اور ویسے بھی اگر رپورٹ انگریزی میں ہو اور امریکہ سے جاری ہو تو ہم جیسے "کالا لوگ" اس کو معتبر ہی سمجھتے ہیں۔ کچھ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

جب جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ یہ رپورٹ واشنگٹن کے کیٹو (Cato) انسٹی ٹیوٹ نے جاری کی ہے۔ دنیا بھر کے چوٹی کے پندرہ تھنک ٹینکس میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ اس بات کی بھی خوشی ہوئی کہ بھارت کو کسی لکو پنجو سے نہیں بلکہ چوٹی کے تھنک ٹینک کے ہاتھوں زک اٹھانی پڑی ہے۔ اور پاکستان کا دیرینہ موقف تسلیم کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے وزیر خارجہ کہیں کہ یہ سب کچھ موجودہ حکومت کی کاوشوں سے ہوا ہے۔

یہ تھنک ٹینک کچھ سال کے بعد ایک رپورٹ جاری کرتا ہے۔ اس رپورٹ میں دنیا بھر کے ممالک میں انسانی آزادی کا انڈیکس یعنی Human Freedom Index جاری کیا جاتا ہے۔ اس انڈیکس کو بناتے ہوئے یہ جائزہ لیا جاتا ہے کہ مختلف اعتبار سے ان ممالک میں انسانی آزادی کی کیا صورت حال ہے؟ اور 76 پیمانے استعمال کر کے دیکھا جاتا ہے کہ مختلف ممالک میں قانون کی حکمرانی، انسانی تحفظ، نقل و حرکت کی آزادی، مذہبی آزادی۔ اظہار و اجتماع کی آزادی، بین الاقوامی تجارت کی سہولیات وغیرہ کی کیا صورت حال ہے؟

اور ہر تجزیے کے نتیجے میں کچھ نمبر دیے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے ہر ملک کو صفر سے دس نمبر دیے جاتے ہیں۔ یعنی سکول کالج کی طرح جس کے نمبر زیادہ ہوں گے اس کی پوزیشن اچھی ہو گی اور جس کے نمبر کم ہوں گے وہ پھسڈی سمجھا جائے گا۔

اس سال کی رپورٹ میں یہ تجزیہ پیش کیا گیا کہ مجموعی طور پر دنیا میں انسانی آزادی میں کوئی تسلی بخش بہتری نہیں آ رہی۔ 70 ممالک میں یہ صورت حال بہتر ہوئی ہے تو 70 ممالک میں انسانی آزادی کی صورت حال پہلے سے خراب ہوئی ہے۔ اور باقی ممالک میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

خیر ہمیں دنیا سے کیا؟ ہم نے تو یہ دیکھنا تھا کہ بھارت کی سبکی کیسے ہوئی۔ فوراً سرچ کیا کہ بھارت کا نام کہاں لکھا ہے؟ سکرین پر بھارت کا نام نظر آیا۔ ساتھ ہی بڑا بڑا 111 لکھا ہوا تھا یعنی 162 ممالک میں بھارت کی پوزیشن اتنی خراب ہے کہ بہتر نصف میں بھی نہیں آ سکا۔ خدا کا شکر کیا کہ دشمن رسوا ہوا۔ پوزیشن کے ساتھ بھارت کے نمبر بھی درج تھے۔ اس کے مطابق بھارت نے انسانی آزادی کے امتحان میں دس میں سے تقریباً ساڑھے چھ نمبر لیے۔ ذرا صدمہ ہوا کہ مودی صاحب کو اس سے بھی کم نمبر ملتے تو اچھا تھا۔ ہم سے مشورہ ہی کر لیتے۔

اس کے بعد خیال آیا کہ ذرا دیکھیں وطن عزیز نے اس امتحان میں کیا پوزیشن اور کتنے نمبر حاصل کیے ہیں؟ پھر سرچ کیا۔ پاکستان کا نام سکرین پر نمودار ہوا۔ ایک بار دیکھا۔ دوسری مرتبہ دیکھا۔ آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ اپنے آپ کو چٹکی کاٹ کر دیکھا۔ لیکن سامنے پاکستان کی پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ پوزیشن 140 تھی۔ یعنی 162 ممالک میں صرف 22 ایسے بدنصیب ممالک ہیں جو اس اعتبار سے ہمارے سے بھی زیادہ پھسڈی ہیں۔

خیال آیا کہ تھنک ٹینک والے گھاس کھا گئے ہیں۔ حساب کی غلطی ہو گی۔ اپنے نمبر دیکھے تو وہ صرف ساڑھے پانچ کے قریب تھے یعنی بھارت سے بہت پیچھے۔ ہر شعبے کا جائزہ لینا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ قانون کی حکمرانی میں پاکستان کے صرف 33 فیصد نمبر تھے۔ بھارت کے 43 فیصد یعنی دونوں ہی فیل۔ مذہبی آزادی میں پاکستان کے 35 فیصد اور بھارت کے 50 فیصد۔ یعنی تصور کریں کہ بی جے پی کے دور میں بھی ہم مذہبی آزادی میں بھارت سے کمتر نکلے۔ میڈیا کی آزادی میں پاکستان کے پچیس فیصد نمبر اور بھارت کے پچاس فیصد۔ اکثر اعتبار سے پاکستان بھارت سے پیچھے تھا۔

اس بحث میں الجھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ رپورٹ منصفانہ ہے کہ نہیں۔ یا یہ کہ اس رپورٹ کی کیا وقعت ہے؟ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اس رپورٹ کا حوالہ دے کر دنیا نیوز بغلیں بجا رہا ہے کہ بھارت کی بے عزتی ہو گئی کہ اتنی گری ہوئی پوزیشن آئی اور پاکستان کی اپنی حالت یہ ہے کہ ان سے بھی بدتر حالت ہے۔ اور صرف بھارت پر ہی موقوف نہیں اس خطے میں سری لنکا، بھوٹان، بنگلہ دیش اور نیپال بھی ہم سے بہتر حالت میں ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق نیوزی لینڈ، سوئٹزرلینڈ، ہانگ کانگ، ڈنمارک اور آسٹریلیا بالترتیب دنیا کے پانچ بہترین ممالک ہیں۔ اور مزید قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں سے کوئی بھی اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ اسے پہلے پچاس ممالک میں شامل کیا جاتا۔ ان ممالک میں سب سے اوپر جس مسلمان ملک کا نام آتا ہے وہ انڈونیشیا ہے جس کی پوزیشن 68 نمبر پر ہے۔ لیکن دس بدترین ممالک میں سے 8 ممالک مسلمان اکثریتی ممالک ہیں۔

اس رپورٹ پر تو ہمیں ماتم کرنا چاہیے تھا۔ ہمیں اپنا جائزہ لینا چاہیے تھا۔ اپنے ملک کو اور اس کے تاثر کو بہتر بنانے کی فکر ہونی چاہیے تھی۔ لیکن ہمیں یہ افیون چٹائی جا رہی ہے کہ خوش ہو جاؤ بھارت کی پوزیشن گر گئی ہے۔ یہی وہ ذہنی غلامی کی زنجیریں ہیں جن سے 1947 سے اب تک ہمیں باندھ کر غلام بنایا ہوا ہے۔ ہمیں اس وہم میں مبتلا کیا ہوا ہے کہ انگریز چلا گیا تم اب آزاد ہو۔ اہل نظر "داغ داغ اجالا" اور "شب گزیدہ سحر" کی دہائی دیتے ہوئے چلے بھی گئے اور ہم پھر بھی 14 اگست کو جھنڈیاں لگانے کو آزادی سمجھے جا رہے ہیں۔

حالت یہ ہے کہ اس رپورٹ کے مطابق مذہبی آزادی کے اعتبار سے 162 ممالک میں صرف بحرین، برونائی، چین، مصر، سعودی عرب، شام، اور یمن اس اعتبار سے ہم سے پیچھے ہیں۔ اور ہمسایہ ملک ایران ہمارے برابر۔ ملاحظہ فرمائیں کہ سوائے چین کے یہ تمام ممالک مسلمان ممالک ہیں۔ اور دنیا نیوز اسے ہماری ایک عظیم فتح کے طور پر نشر کر رہا ہے۔ اور اس اعتبار سے پاکستان 2008 سے لے کر اب تک مسلسل تنزل کا شکار ہے۔

اس رپورٹ پر آسان ردعمل تو یہ ہو سکتا ہے کہ ایک پروقار پریس کانفرنس کر کے اسے رپورٹ کو مسترد کر دیا جائے۔ یا اسے دشمنوں کی سازش قرار دے دیا جائے۔ اور ہمارے وزیر خارجہ اس بات کا کافی تجربہ حاصل کر چکے ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا نیوز کی طرح بھارت کی سبکی پر اظہار اطمینان کیا جائے۔ لیکن عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنا احتساب کرتے ہوئے خود دیکھیں کہ ہم پاکستان میں انسانی آزادی کی صورت حال کو بہتر کس طرح بنا سکتے ہیں؟

سفیر فرانس کے نام کھلا خط

محمد کولمبس خاں (مطبوعہ "ہم سب")

بخدمت عزت مآب جناب سفیر صاحب جمہوریہ فرانس۔اسلام آباد

کسی اور ذریعہ سے آپ تک رسائی میری جیسے ایک معمولی انسان کے لئے آسان نہیں لہذا "ہم سب" کے واسطہ سے اس توقع کے ساتھ کہ کسی ذریعہ سے یہ مکتوب پاکر آپ ٹھنڈے دِل سے پڑھ کر اس کے مندرجات کو درست سمجھیں تو حکومتِ فرانس کو عاجزانہ رائے سے آگاہ کریں تاکہ وہ اپنے اقدامات پر نظر ثانی کرے۔اور بڑھتی ہوئی کشیدگی کی روک تھام ہو سکے۔

فرانس میں ہونے والے تازہ واقعات نے نتیجہ میں پیدا ہونے والی کشیدگی دنیا کے دوسرے مسائل کے حل کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہی ثابت نہیں ہو رہی بلکہ خود ایک بہت بڑے مسئلے سے بنی نوع کو دوچار کرنے والی ہے۔فرانس کا شمار مہذب ممالک میں کیا جاتا ہے اور اس کے دستور کو دنیا بھر میں احترام سے دیکھا جاتا ہے۔اس دستور میں حقوق "آزادی رائے" اور "آزادئ اظہار رائے" کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور اس حق کی ہر معقول انسان تکریم کرتا ہے۔

آپ کے ملک جمہوریہ فرانس میں مسلمانوں کے لئے مقدس ترین ہستی **حضرت خاتَم النبیین محمد** ﷺ کی ذات بابرکات پر "آرٹ" کے نام پر آزادئ اظہار رائے کا حق استعمال کرنے کے بہانے جو کارٹون بنائے اور شائع کیئے گئے ہیں۔وہ نہ صرف دستور جمہوریہ فرانس بلکہ دیگر جمہوری ممالک کے دساتیر اور بین الاقوامی انسانی حقوق کے چارٹر کی بھی سراسر خلاف ورزی ہے۔

ان کارٹونوں کی اشاعت پر مسلمانوں کی طرف سے صحیح یا غلط طرح سے ردِ عمل آیا اور آرہا ہے۔دوسری جانب ردِ عمل کے طور پر فریقِ ثالث یعنی حکومتِ فرانس نے ان کارٹونوں کی حکومتی سرپرستی میں اشاعت کی صورت میں جو کارنامہ انجام دیا ہے ایک جمہوری ملک کے سیاسی ارتقاء کا رُخ زوال کی طرف موڑنے کا باعث بنا ہے۔رُخ کے اس مُڑ جانے سے آگاہ کرنے کی غرض سے حکومتِ جمہوریہ فرانس کو آپ کی وساطت سے توجہ دلانا مقصود ہے لہذا عرض ہے کہ:۔

۔1۔سن 1881 عیسوی سے معتبر۔valid۔دستور جمہوریہ فرانس میں بیان کردہ "آزادئ اظہارِ رائے" پر پانچ پابندیاں ہیں۔اور انکی سزائیں مقرر ہیں جن میں تیسری پابندی میں مذہبی توہین مذکور ہے۔اور ابھی گزشتہ سال میں بنائے گئے قانون میں اس پابندی کا دائرہ "ڈیجیٹل آزادئ اظہار رائے" تک وسیع کرتے ہوئے نامناسب مواد کو رپورٹ کیئے جانے کے بعد ایک سے چوبیس گھنٹے کے اندر میڈیا کمپنیوں انسا گرام۔فیس بک۔وغیرھم کو نہ ہٹانے کی صورت میں متعلقہ کمپنی کی چار فیصد تک آمد جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔اس پسِ منظر کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ قانون سازوں نے "اظہارِ آزادئ رائے" کو بے لگام نہیں چھوڑا بلکہ بعض دیواریں اس بنیادی حق کی ہی حفاظت کے لئے ہی کھڑی کی گئی ہیں۔

۔2۔"آزادئ اظہار رائے" کا حق کا درجہ بڑی دانشمندی سے قائم کیا گیا ہے اور اس حق کی حفاظت ہر ریاست اور ہر شہری کا فرض ہے اور اس حق کو محدود کرنے کے لئے کوئی ریاست متحرک ہو یا اس حق کے غلط استعمال سے۔کوئی شہری یا طبقہ اس حق کی **تنقیص** کرے۔تو اس کا محاسبہ کرنا ایک فریضہ ہے۔

۔3۔یہ حق جسے عمرانی معاہدہ کی ابتدائی شقوں میں شامل کیا گیا ہے اس کا مقصد بنی نوع کی فلاح اور ایک ریاست میں نسل۔رنگ۔مذہب وغیرہ

کی تفریق کے بغیر پُر امن معاشرہ کا قیام ہے۔ درست طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس حق کے صحیح استعمال کے نتیجہ میں ہی یورپ تہذیب یافتہ خطہ قرار پایا ہے اور صحیح استعمال سے ہی تہذیب یافتہ رہ سکتا ہے۔

۔4۔ماضی قریب میں اس حق کے ناجائز استعمال سے کئی تنازعات پیدا ہو چکے ہیں۔ان میں سے اکثر تو حکومتوں کی طرف سے تحدیدی قانون سازی کی بدولت اسمبلیوں اور ہیومن رائیٹس کے علم برداروں کے درمیان تھے۔ حقِ "آزادیٔ اظہار رائے" کی آڑ میں کارٹونوں کی اشاعت نے اب جس تنازعہ کو جنم دیا ہے اس نے بین الاقوامی سطح پر سیاسی اور مسلمانوں اور ہیومن رائیٹس کے پرچاروں کے درمیان ایک میدان جنگ سجا دیا ہے۔ بدقسمتی سے حکومتِ فرانس اس تنازعہ میں جارح فریق کی حمایت میں ریاستی غیر جانبداری کے اپنے بنیادی اصولوں سے انحراف کرنے لگی ہے۔

۔5۔کارٹون "آزادی اظہار رائے" کی ذیل میں نہیں آتے۔

(ا) یہ آرٹ کی کوئی خدمت نہیں۔

(ب) ان سے کوئی انسانی ہمدردی کا پیغام نشر نہیں ہوتا۔

(ج) ان سے کسی مظلوم یا ستم رسیدہ انسان یا گروہ کی تکلیف کا اشارہ نہیں ملتا۔

(د) ان سے اربوں مسلمانوں کے دِل ضرور زخمی ہوتے ہیں۔

(ہ) یہ معاشرہ میں ایک طبقہ کے خلاف نفرت انگیزی اور اس کا جواب بھی نفرت۔ اور بعض صورتوں میں پُر تشدّد نفرت ہے۔

(و) یہ انسانی فطرت کے لئے ممکن ہی نہیں کہ ایک ہستی کو اپنی جان سے عزیز سمجھنے والے اور اسی ہستی کو دہشت گردی کی علامت سمجھنے والے باہم محبت کی پینگیں بڑھا سکیں۔ اور کثیر الجہتی معاشروں میں اس محبت کی ضرورت ہر دانش مند پر واضح ہے۔

(ز) جس ہستی کے متعلق کارٹون بنائے گئے ہیں اس کی سیرت طیّبہ۔ اور اس ہستی سے باشعور محبت کی حقیقت سے یہ ناآشنائی بھی ہے۔

۔6۔یہ کارٹون اینٹی سمیٹک بھی ہیں۔ اسلام ایک سمیٹک مذہب ہے۔ جس مقدس ہستی کے یہ کارٹون بنائے گئے ہیں وہ بائیبل کی پیشگوئی "تیرے بھائیوں" کے مطابق حضرت ابراہیم کی اولاد سے ہیں۔

اعجازِ بیاں

کاش اِک روز تو یوں رونقِ محفل ہوتا — پاؤں رکھتا تو جہاں واں پہ مرا دل ہوتا
حُسن کامل تھا ترا، عشق بھی کامل ہوتا — یعنی ہاتھوں میں مرے پردہ محمل ہوتا
دل ساحل کو ہے ارمان کہ ہو جائے وہ بحر — بحر کو ہے یہ تمنا کہ وہ ساحل ہوتا
دل نہ زنہار نوا سنجِ شکایت ہوتا — لطف بھی کچھ جو ترے جور میں شامل ہوتا
خوگرِ جور ہیں ہم جاں سے گزر ہی جاتے — گر ستم چھوڑ کے تُو لطف پہ مائل ہوتا
کاش اس طرح سے یہ چاندنی راتیں کٹتیں — کہ ہم آغوش مرے تُو لبِ ساحل ہوتا
ترے پہلو میں گزرتی مری اک ساعتِ عیش — خوب ہوتا یہ مری عمر کا حاصل ہوتا
کس قدر یاس فزا شام اجل تھی اعجاز — کاش بالیں پہ مرے وہ مہِ کامل ہوتا

(سعید احمد اعجاز)

کوئی نگاہ نئی کربلا سے بھی ہوتی
کہ اہلِ عزم تو کیا حرفِ عین تک بھی نہیں
لرز اٹھا ہوں یہ سُن کر میں آئنے سے ابھی
کہ مدعی میں تو عکسِ حسین تک بھی نہیں

جمیل الرحمن جمیلؔ

بدظنی کا انجام جہنم ہے۔ (مسیح موعودؑ)

جب اس نے رخ سے نقاب الٹا
تو رک گیا آفتاب الٹا

جب آسماں نے نقاب الٹا
زمیں ہوئی لاجواب الٹا

وہ خلطِ مبحث ہوا قفس میں
سوال الٹا، جواب الٹا

جو گھر سے نکلا تھا ٹوکنے کو
وہ ہو گیا ہم رکاب الٹا

تھا اپنی کثرت پہ نازاں کو
میں ہو گیا بے حساب الٹا

سوال تم نے کیا تھا مضطرؔ
وہ ہو گئے لاجواب الٹا

چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی

ہم قدم اندیشہ سود و زیاں چلتا رہا
اِس طرح سے زندگی کا کارواں چلتا رہا

مخزنِ دل میں رہی پنہاں متاعِ جستجو
بے خبر کے ساتھ منزل کا نشاں چلتا رہا

کنج میں بیٹھا رہا اک تشنہ لب، قانع مگر
ورنہ میخانے میں دورِ ارغواں چلتا رہا

رہنما اور سب مسافر اُس کے تھے روشن نظر
قافلہ جو گردِ صحرا میں نہاں چلتا رہا

کیا جلانا تھا ہمیں یوسفؔ سفر کی دھوپ نے
چھاؤں بن کر ساتھ میرِ کارواں چلتا رہا

کلام راجہ محمد یوسف صاحب

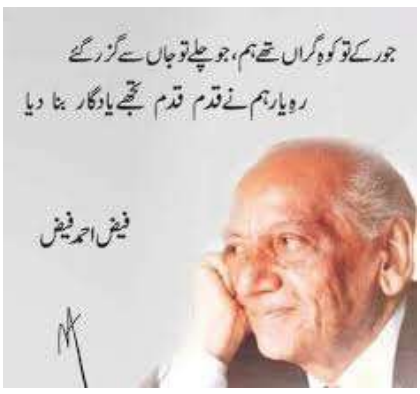

ہم خستہ تنوں سے محتسبو کیا مال منال کا پوچھتے ہو
جو عمر سے ہم نے بھر پایا سب سامنے لائے دیتے ہیں
دامن میں ہے مشت خاک جگر ساغر میں ہے خون حسرت مے
لو ہم نے دامن جھاڑ دیا لو جام الٹائے دیتے ہیں

فیض احمد فیض

جلسہ سالانہ ربوہ کی یادیں

(مکرم چوہدری حمید اللہ ظفر صاحب)

؎ رات چپکے سے دسمبر نے یہ سرگوشی کی پھر سے اک بار رلاؤں تجھے جاتے جاتے

جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود رکھی اور پہلا ایک روزہ جلسہ سالانہ 27/ دسمبر 1891ء کو قادیان دارالامان میں منعقد ہوا۔ جس میں 75 خوش قسمت مخلصین سلسلہ نے شرکت کی۔ پھر ایک اشتہار کے ذریعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ساری جماعت کو اطلاع دی کہ ہر سال 29,28,27 دسمبر کی تاریخوں میں جلسہ منعقد ہوا کرے گا۔ شروع شروع میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام شاملین جلسہ کے لئے کھانے اور رہائش وغیرہ کا انتظام خود کرتے تھے۔ بلکہ بعض مستحقین ایسے تھے جن کو آمد و رفت کے لئے بھی مدد دی جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اکثر دور دراز ملکوں کے ایسے غرباء و فقراء ہوتے ہیں جن کو جاتے وقت زادراہ دے کر رخصت کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کے اہتمام میں مکرم مولوی حکیم نور الدین صاحب بدل و جان کوشش کرتے ہیں۔ اکثر دور کے مسافروں کو اپنے پاس سے زادراہ دیتے ہیں چنانچہ بعض کو تیس تیس یا چالیس چالیس روپیہ دینے کا اتفاق ہوا ہے۔ (کتابچہ جلسہ سالانہ شائع کردہ جماعت احمدیہ برطانیہ صفحہ 33)

ایک موقع پر تو گھر کے سارے بستر مہمانوں کو دے دیئے گئے۔ پھر خادم آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بتایا کہ مہمان بہت زیادہ آگئے ہیں اور بستر ختم ہو گئے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے اپنا بستر بھی مہمانوں کے لئے بھجوا دیا۔ اس وقت حضرت مصلح موعودؓ جو چھوٹے بچے تھے آپؑ کے پاس تھے۔ آپ علیہ السلام نے انہیں گود میں لیا اور اوپر کمبل ڈال دیا۔ فرمایا کہ ہمارا کیا ہے ہم اسی طرح رات گزار لیں گے۔ اللہ اللہ حضور علیہ السلام کس قدر اپنے مہمانوں کا خیال رکھتے تھے۔

جلسہ سالانہ کا مستقل انعقاد دسمبر میں قادیان میں ہونا شروع ہوا۔ 27/ دسمبر 1893ء کا جلسہ بوجوہ ملتوی کر دیا گیا۔ لیکن بعد میں دسمبر میں جلسہ کا انعقاد مستقل ہو گیا۔ 1946ء تک قادیان میں جلسہ سالانہ ہوتا رہا۔ تقسیم ہند کے بعد 1947ء اور 1948ء کو دو سال جلسہ سالانہ منعقد نہ ہو سکا۔

1949 میں نئے مرکز ربوہ میں 15/ اپریل تا 17/ اپریل جلسہ سالانہ منعقد ہوا۔ 1966ء کو رمضان المبارک کی وجہ سے جلسہ سالانہ 26 تا 28/ مارچ 1967ء ربوہ میں منعقد ہوا۔ اسی طرح 1967ء کا جلسہ 11 تا 13/ جنوری 1968ء منعقد ہوا۔ پھر 1968ء میں دسمبر میں 26 تا 28/ دسمبر منعقد ہوا۔ گویا اس سال 2 مرتبہ جلسہ منعقد ہوا۔ پھر 1971ء میں پاکستان اور انڈیا کے درمیان ہونے والی جنگ کے باعث جلسہ سالانہ نہیں ہو سکا۔

1983ء تک ربوہ میں سالانہ جلسے ہوتے رہے۔ 1984ء میں ایک ظالمانہ آرڈیننس کی وجہ سے ربوہ میں جلسہ منعقد نہ ہو سکا۔ 1984ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی ہجرت کے بعد 1985ء سے برطانیہ میں جلسے منعقد ہونا شروع ہو گئے۔ 2001ء میں جرمنی میں پہلا عالمی جلسہ من ہائم (Mannheim) کے مقام پر ہوا۔ اس سال برطانیہ میں "منہ کھر" کی بیماری پھیلنے کی وجہ سے جلسہ نہیں ہو سکا تھا۔

1984ء میں ربوہ میں جلسہ سالانہ تو بند کر دیا گیا لیکن آہستہ آہستہ ملک ملک میں جلسہ ہائے سالانہ منعقد ہونے شروع ہو گئے۔ لیکن قادیان اور ربوہ کے جلسوں کی یادیں ہمیشہ کے لیے قلب و ذہن پر نقش ہیں۔

تقسیم ہند سے پہلے لوگ دور نزدیک سے میلوں کا سفر پیدل طے کر کے جلسہ سالانہ قادیان میں شامل ہوتے تھے۔ میرے والد صاحب اکثر بتایا کرتے تھے کہ ہم کچھ احمدی اکٹھے ہو کر داتہ زید کا (سیالکوٹ) سے بدوملہی اور پھر وہاں سے دریائے راوی کو جو سردیوں میں خشک ہو جاتا تھا اور کہیں کہیں تھوڑا پانی کھڑا ہوتا تھا عبور کر کے بستی بستی گزر کر قادیان جلسہ پر پہنچا کرتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبولیتِ دعا کا ایک واقعہ جو اس سفر کے دوران ہر سال سُنتے، بڑے مزے سے سنایا کرتے تھے کہ جب ہم ایک جگہ سے گزرتے تو وہاں ایک سکھ صاحب بیٹھے ہوتے تھے۔ ساتھ ہی ان کے کھیت تھے جہاں سے گنا کاٹ کر بیلنے پر اس کا رس نکالا جا رہا ہوتا تھا اور وہ جلسہ پر جانے والے ہر مہمان کو کہتے گنے کا رس پی کر جائیں۔ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو بتایا کہ میرے والد صاحب کے ہاں اولاد نہیں تھی جبکہ شادی کو ایک لمبا عرصہ گزر چکا تھا۔ کسی نے میرے والد صاحب کو کہا کہ تم

قادیان والے مرزا صاحب کے پاس جاؤ اوران سے دعا کرواؤ تو اللہ تمہیں اولاد دے گا۔ چنانچہ میرے والد صاحب مرزا صاحب کے پاس قادیان گئے اور دعا کے لئے کہا۔ مرزا صاحب نے دعا کا وعدہ کیا اور فرمایا میرا اللہ تمہیں اولاد عطا فرمائے گا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے میرے والد کو بیٹا دیا۔ اور وہ بیٹا مَیں ہوں۔ میں مرزا صاحب کی دعا سے پیدا ہوا۔ اب میرا اتنا تو فرض بنتا ہے کہ میں ان کے مریدوں کی یہ تھوڑی سی خدمت کروں۔

قادیان دارالامان کی تو بے شمار برکات ہیں اور آج قادیان کا نام دنیا بھر میں گونج رہا ہے۔ خاکسار راقم نے تو وہ زمانہ نہیں دیکھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ گزر جانے کے ایک عرصہ بعد میری پیدائش ہوئی لیکن مجھے اس طرح قادیان کی برکت کا تجربہ ہوا کہ خاکسار 1987ء میں پاکستان ایئر فورس میں ملازمت کے سلسلہ میں ڈرگ روڈ کراچی میں متعین تھا ان دنوں میری رہائش بیت المبارک ڈرگ روڈ کے ساتھ جماعتی گیسٹ ہاؤس میں تھی۔ اللہ نے مجھے جڑواں بچیاں عطا فرمائی تھیں۔ جو بیمار ہو گئیں ڈاکٹر نے ان کے لیے گائے کا دودھ تجویز کیا۔ قریب ہی ایک آدمی کا باڑا تھا جہاں بھینسوں اور گائے کا دودھ فروخت ہوتا تھا۔ علی الصبح دودھ، دوھ لیتے تھے پہلے دن میں تاخیر سے دودھ لینے گیا۔ پتہ چلا وہ دُودھ بیچ کر گھر چلا گیا ہے اور بچا ہوا دُودھ گھر لے گیا ہے۔ مجھے اس کے گھر کا پتہ تھا وہاں پہنچا دروازہ کھٹکھٹایا وہ باہر آیا۔ میں نے کہا مجھے گائے کا دودھ چاہئے۔ کہنے لگا دودھ تو ختم ہو گیا ہے۔ میں واپس مڑا تو پیچھے سے آواز دی کہ ٹھہرو اور پوچھا تم کہاں رہتے ہو؟ میں نے کہا بیت المبارک کے سامنے گیسٹ ہائوس میں۔ پوچھا آپ احمدی ہیں؟ میں نے کہا جی میں احمدی ہوں یہ سن کر اس نے کہا برتن مجھے دو اور اندر سے گائے کا دودھ لے آیا۔ مجھے اس پر تعجب ہوا کہ پہلے انکار کیا پھر دودھ دے دیا، راز کیا ہے؟ میرے پوچھنے پر بتایا کہ جب مجھے پتہ چلا کہ آپ احمدی ہیں تو انکار نہیں کر سکا کیونکہ میرا گائوں قادیان سے آگے ہے۔ جب کبھی دیر ہوتی اور بٹالہ سے چل کر رات پڑ جاتی تو ہم مرزا صاحب کے لنگر خانے میں رات گزارتے تھے۔ وہاں مجھے گرم گرم تازہ کھانا اور سردیوں کی یخ بستہ راتوں میں گرم بستر بھی ملتا تھا، تو میرا بھی فرض ہے کہ میں مرزا صاحب کے مرید کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤں۔ پھر دودھ کے اوقات بتائے کہ آپ اس دوران آکر دودھ لے جایا کریں یا مجھے بتا دیں کتنا دودھ روزانہ چاہئے اتنا میں ہر دن علیحدہ کر کے رکھ لیا کروں گا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

قادیان جلسہ سالانہ پر پیدل جانے کی بات ہو رہی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد بھی ایسے مخلصین سلسلہ تھے جو پیسے بچا کر جلسہ کے لئے آمد و رفت کا خرچہ جمع کر کے جلسہ سالانہ ربوہ میں شامل ہوتے تھے۔ ان میں سے اپنے گاؤں داتہ زید کا کے ایک درویش صفت بزرگ چودھری سید احمد باجوہ مرحوم کو جانتا ہوں جو مرغی کے انڈوں پر بھی چندہ دیا کرتے تھے۔ اکثر وہ گھی بیچ کر جلسہ سالانہ پر جانے کا کرایہ جمع کر لیتے لیکن ایسا بھی ہوا اور اکثر ہوا کہ جب پیسے پاس نہیں ہوتے تھے تو وہ جلسہ سالانہ ربوہ پر داتہ زید کا سے پیدل دو تین دن کا سفر طے کر کے جایا کرتے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کی نسل کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضلوں سے بہت نوازا ہے اور وہ دنیا میں ملکوں ملکوں پھیل چکے ہیں۔ اور میرے اس محترم بزرگ کے ایک پوتے کو اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ کی انتظامیہ میں خدمت کی سعادت و خدمت کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

جب میں بچہ تھا۔ ہم لوگ داتہ زید کا میں جلسہ سالانہ کی تیاری میں مصروف ہوتے، نئے کپڑے سلواتے ہیں، خوشی کا عجیب سماں ہوتا۔ جوں جوں جلسہ کے دن قریب آتے عجیب روحانی سرور بڑھتا جاتا۔ آخر روانگی کی صبح والدہ سحری کے وقت اٹھتیں۔ راستے کے لئے مولی یا آلو کے پراٹھے اور کبھی انڈے پراٹھے تیار کرتیں۔ صبح کی نماز کے بعد سفر شروع ہوتا۔ گاؤں سے تین چار میل پیدل منگلا نہر کے پل تک شدید سردی میں چلنا پڑتا۔ اور جب زیادہ سردی محسوس ہوتی کھیتوں سے پرالی اکٹھی کر کے آگ جلا کر جسم کو گرم کر لیتے اور پھر سفر شروع ہوتا۔ آخر منگلا پل پر پہنچتے تو وہاں تانگے کا انتظار کرتے تا کہ اس پر سوار ہو کر مہتہ سوجا جائیں۔ اور وہاں سے سپیشل ٹرین سے ربوہ پہنچیں۔ کچھ مرد اور خواتین بدوملہی کی مسجد میں رات گزار کر اگلے دن سپیشل ٹرین سے ربوہ جاتے۔ بدوملہی کی جماعت ان سب کی خوب تواضع کرتی۔ ہم مہتہ سوجا اسٹیشن پر سپیشل ٹرین کا انتظار کرتے۔ گاڑی آتی اور فضا نعرہ ہائے تکبیر سے گونج اُٹھتی۔ گاڑی جگہ جگہ ٹھہرتی۔ نعروں کی صدا بلند ہوتی اس طرح گاڑی اپنی منزلیں طے کرتی چلی جاتی۔ شاہدرہ اسٹیشن پر دوپہر کا کھانا ہوتا۔ بلکہ کلو اجمیعاً منظر ہوتا۔ ایسا لگتا جیسے ایک ہی خاندان کے افراد اس ٹرین پر سفر کر رہے ہوں۔ ہر کوئی اپنے گھر سے ساتھ رکھے ہوئے پکے کھانے نکال کر خلوص اور محبت و پیار کے ساتھ ایک دوسرے کو پیش کر رہا ہوتا۔ ایسا منظر کہیں دنیا نے کہاں دیکھا ہو گا! وہاں سے گاڑی پھر ربوہ کی طرف روانہ ہوتی۔ جوں جوں ربوہ قریب

آتا جاتا عجیب روحانی کیفیت طاری ہوتی جاتی۔ٹرین کے اس سفر میں جلسہ پر جانے کا بہت سرور آتا۔ ہمارے امیر جماعت میاں جی چوہدری بشیر احمد باجوہ صاحب بھی ہمارے ساتھ ہوتے۔ آپ حضرت چودھری ظفر اللہ خاںؓ مرحوم کے ماموں زاد بھائی تھے۔ آپ نارووال کی اسپیشل ٹرین کے امیر قافلہ بھی ہوتے۔ چنیوٹ آتا تو دل کی جو کیفیت ہوتی اُسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔

ربوہ پہنچنے پر جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کا اھلاً وسہلاً ومرحبا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کی روح آفریں صداؤں سے استقبال کیا جاتا۔ خدامِ احمدیت سامان اٹھالیتے اور قیام گاہوں میں پہنچادیتے۔ اگلے دن علی الصبح احباب نماز تہجد کے لئے مسجد مبارک کی طرف رواں دواں ہوتے تاکہ نماز فجر اپنے پیارے آقا کی اقتدا میں ادا کرنے کا شرف حاصل کر سکیں۔ ناشتہ مٹی کی بنی پیالیوں میں دال روٹی کا ہوتا۔ وہ دال بھی عجیب مزہ رکھتی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بابرکت لنگر خانہ کی یہ دال لوگ پانی کی طرح پینا پسند کرتے تھے۔ شام کو آلو گوشت کا سالن مزہ دوبالا کر رہا ہوتا تھا۔

صبح جلسہ کا افتتاحی اجلاس حضرت خلیفۃ المسیح کی صدارت میں اکثر حافظ ڈاکٹر مسعود احمد صاحب آف سرگودھا کی وجد آفریں تلاوت قرآن پاک سے شروع ہوتا اور چودھری شبیر احمد صاحب کی نظم کے بعد ہمارے دل وجان سے پیارے آقا کا دلآویز خطاب ہوتا جس سے پیاسی روحیں اپنی طراوت کا سامان کرتیں۔ علمائے احمدیت کی تقاریر، حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ، حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب رحمہ اللہ، مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ، مولانا قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری، صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، کیا کیا نام لوں کہ ان میں حضرت چودھری ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ صدر عالمی عدالت انصاف پھر برصغیر کے نامور شاعر، شاعر احمدیت ثاقب زیروی صاحب کی شرکت اور موخر الذکر کی ولولہ انگیز نظمیں روح میں اتر جایا کرتی تھیں۔ ادھر جلسہ کی کارروائی ختم ہونے کے بعد بازار جاتے تو ہر طرف حضرت امیر المومنین کی تقاریر کی ریکارڈنگ کیسٹ پر چل رہی ہوتی تھی۔ اور کہیں ثاقب زیروی صاحب کی نظموں کی کیسٹ سے لوگ لطف اندوز ہو رہے ہوتے۔ جلسہ کے یہ تین دن بھی عجیب دن ہوتے۔ سال بھر ان کا انتظار رہتا اور ان کے گزرنے کا پتہ ہی نہ چلتا۔ ربوہ کے مکینوں کو دیکھیں تو وہ خوشی سے پھولا نہ سماتے! کیسے خوش نہ ہوتے، اپنے گھروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مہمانوں کو ٹھہرانے کا انتظام جو کرتے تھے۔ ان کے لئے غریب دلہن کی طرح قیام گاہوں کو سجاتے۔ مہمان زیادہ ہو جاتے اور گھروں میں جگہ کم پڑ جاتی، لیکن دل کشادہ ہی رہتے، چنانچہ گھروں کے کمروں میں کسیر جسے ہم پرالی کہتے ہیں ڈال کر مہمانوں کو اپنے کمروں میں جگہ دے دیتے۔ اور خود اپنے ہی آنگن میں خیمے لگا کر ان میں منتقل ہو جاتے۔ جاڑے کے سخت موسم میں ان دیوانوں کی اپنے مہمانوں کی تواضع اور خدمت کرنے کا روحانی لطف تو وہی جانتے ہوں گے!

وہ لوگ آئے ہیں آنکھوں میں شمع شوق لئے
جنہیں نہ پوچھا کبھی کم نگاہ دنیا نے

اور پھر ایسا ہوتا کہ روحانی سرور سے پُر یہ تین دن گزر جاتے۔

ہاں مسیح موعود کے مہمانوں کا جھرمٹ ہوتا وہاں اداسی بسیرا کرنے لگتی اور خوشی خوشی آنے والے قافلے بوجھل دلوں کے ساتھ پھر اگلے سال انہی دنوں کے دیکھنے کی تمنا لئے اپنے گھروں کو روانہ ہو جاتے۔ ربوہ اور اہالیان ربوہ کچھ دن اداسی میں گزارتے اور پھر اگلے سال اپنے معزز مہمانوں کی خدمت کی تمنا لئے اپنے روزمرہ کے کاموں میں بادل نخواستہ ہی سہی، لیکن مصروف ہو جاتے:

یہ تین دن بھی عجب رحمتوں کے دن ہوں گے — کھِلیں گے دیدۂ ودل میں گلوں کے پیمانے
شراب نور سے دھو لو دل و نظر ثاقب — نصیب ہوں کہ نہ ہوں پھر یہ دن خدا جانے

جلسہ کی یادیں لکھتے وقت بار بار آنکھیں پرنم ہوتی رہیں۔ بارگاہ رب العزت میں یہ التجا لئے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ کرے کہ یہ سیاہ رات جلد ختم ہو اور ہمارے پیارے ربوہ کی رونقیں لوٹ آئیں۔ اللہ ہمیں پھر ایسے ہی نظارے دیکھنے نصیب فرمائے۔ آمین

نہیں نفرت میرے دل میں کسی سے
صرف الفت ہے مجھ کو ہر کسی سے

نہیں ہے دشمنی میری کسی سے
محبت ہی محبت ہے سبھی سے

دُکھاؤ دل نہ تم ہر گز کسی کا
"سبق ہم کو ملا یہ زندگی سے"

پکڑتا کیوں ہے تُو صیاد مجھ کو
کہے یہ آہِ بلبل بے بسی سے

نہ شکوہ مجھ کو نہ کوئی گلِہ ہے
بہت ہوں مطمئن میَں زندگی سے

ہمیشہ روگ بَن جاتی ہے آخر
نہ رکھنا کچھ تعلق دل لگی سے

نگاہِ کرم گر تیری نہیں ہے
ملے گا کیا بشر کو بندگی سے

علم ایسا جو لے ڈوبے انا میں
کنارہ کر منیر اس آگہی سے

(منیر باجوہ)

وافر تھے رفو سازیءِ لُکنت کو ہُنر مند
"میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند"

گر جانبِ بسمل ہوں تماشائی کی نظریں
ہوتی ہے کُجاءلذّتِ رقص اور بھی ہر چند

دِلداریَٔ واعظ کو فراوانیَٔ وحشت
رہبر کو ہے شاہ راہِ لہو رنگ سے آنند

رہتے ہیں زمیں پر یہ اُڑیں جِتنا بھی اُونچا
ہے کون بھلا بڑھ کے پرندوں سے خِرَد مند

کوتاہیَٔ واچشمی سُلاتی رہی مُجھ کو
دیکھا ہے دو عالم کو کہ جب آنکھ ہوئی بند

بِسمِ اللہ کلیم

ٹکوسا جرمنی۔ماضی قریب سے

ایک اجمالی رپورٹ۔ از جنرل سیکریٹری مکرم شیخ منصور احمد صاحب

انتخابِ صدر و منظوری

مورخہ 18 اگست 2019 کو انصاراللہ جرمنی کے سالانہ اجتماع کے موقع پر حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کے ارشاد کی تعمیل میں مکرم مولانا حیدر علی صاحب ظفرؔ نائب امیر جماعت احمدیہ جرمنی کی زیر صدارت ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے صدر کا انتخاب ہوا۔اور یکم ستمبر 2019 کو حضور اقدس ایدہ اللہ کی طرف سے مکرم برادرم عبد الغفور ڈوگر صاحب کی منظوری بطور صدر ٹکوسا جرمنی موصول ہوئی۔

انعقاد مشاعرہ

ٹکوسا کے زیر انتظام مورخہ 7 ستمبر 2019 کو صدر صاحب نے اجلاس عام اور مشاعرہ کا پروگرام منعقد ہوا۔اس مشاعرہ میں قرب وجوار کے احمدی شعراء کے علاوہ علمائے سلسلہ مکرم مولانا عبد الباسط صاحب طارق اور مولانا شمشاد احمد صاحب بھی شامل ہوئے۔یہ ایک قسم کا ابتدائی GET TOGATHER تھا۔ جس کے نتیجے میں باہمی یگانگت اور اخوّت کے جذبے کو مہمیز ملی اور اس کے بعد اجتماعی

سرگرمیوں کے سر انجام دینے کی توفیق ملی۔ٹی آئی کالج کے ایک سابق طالب علم مکرم طاہر عارف صاحب مرحوم کی وفات پر قراردادِ تعزیّت بھی منظور کی گئی۔ اور اس پروگرام کی خبریں اور فوٹوز سوشل میڈیا کے ذریعہ ساری دنیا میں عام ہوئیں۔

ملاقات حضورِ اقدس ایّدہ اللہ

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایّدہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اکتوبر 2019 میں جرمنی تشریف آوری کے موقعہ پر صدر صاحب ٹکوسا کی درخواست ملاقات کی منظوری عطا فرمائی۔ اور الحمدللہ 21۔ اکتوبر 2019 کو حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹکوسا جرمنی کی عاملہ اور معاونین فوٹوز بھی ہوئے۔ اس قرب نے باہمی تعاون کے لئے ممبران کے دلوں میں کام کرنے کی ایک لہر پیدا کر دی۔ الحمدللہ

صدر صاحب کی دربارِ خلافت میں حاضری

صدر صاحب ٹکوسا جرمنی نے حضور انور ایّدہ اللہ تعالیٰ سے راہنمائی اور ہدایات کے حصول کے لئے ملاقات کی درخواست کی جس پر انہیں منظوری کے بعد مورخہ 26 نومبر 2019 کو شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ اس ملاقات میں ٹکوسا جرمنی کی تنظیم نو اور سرگرمیوں کے سلسلہ میں حضور انور نے ہدایات دیں۔ جس پر ٹکوسا جرمنی کو ڈی رجسٹر کروانے اور ٹکوسا کی مالی وصولی کو جماعتی مالی نظام میں ایک نئی مد کے تحت مدغم کر دیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑی سہولت کے ساتھ ٹکوسا کی آمدنی میں نمایاں فرق پڑا۔

چوہدری محمد علی باسکٹ بال ٹورنامنٹ

مورخہ آٹھ دسمبر 2019 کو پروگرام کے مطابق ایک باسکٹ بال کا ٹورنامنٹ حسبِ روایت ٹکوسا کے زیرِ انتظام منعقد ہو۔ اس میں یو کے سے بھی دو ٹیمیں شامل ہوئیں۔ اس ٹورنامنٹ کے اختتام پر محترم نیشنل امیر صاحب جرمنی نے کھلاڑیوں میں انعامات تقسیم فرمائے۔ اور مجلسِ صحت جرمنی کے تعاون سے ایک عشائیہ کی تقریب منعقد ہوئی۔ یہ پرانے دوستوں کی باہم یادگاری کے طور پر تاریخ کا حصّہ رہے گی۔ اس کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے علاوہ عاملہ کے ممبران کے مکرم شکیل احمد صاحب۔ محترم ثاقب صاحب۔ محترم ملک امجد صاحب۔ محترم صادق صاحب۔ نے خصوصی تعاون فرمایا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

آغاز سال 2020

اس لحاظ سے یادگاری سال رہے گا کہ اس سال دنیا کو ایک ایسی وبا سے پالا پڑا جس کے نتیجہ میں ہمہ قسم کے پروگرام متاثر ہوئے۔ حتیٰ کہ عبادات میں بھی کورنا کی SOPs کی بدولت نمازیوں کو بھی آپس میں فاصلہ رکھنے کی پابندی کرنی پڑی۔ جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اس وبا کے نتیجہ میں ٹکوساکے پروگرامز بھی متاثر ہوئے لیکن ان دشواریوں کے علی الرغم ہمیں بعض سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی توفیق ملی۔

اجلاس عام

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد کی تعمیل میں ایک اجلاس عام زیر صدارت مکرم صداقت احمد صاحب مشنری انچارج جرمنی منعقد ہوا۔ اس کے بعد باقاعدہ تنظیم نو کا کام شروع کیا گیا اور اب الحمد للہ ہماری تجنید میں معتدبہ اضافہ ہو چکا ہے۔ مجلس عاملہ کے انتخاب کی کارروائی کے لئے بھی پلاننگ مقصود تھی۔ جو ابھی تک التواء کا شکار ہے۔

یوکے باسکٹ بال ٹورنامنٹ

یہ پروگرام پہلے کا بنا ہوا تھا جس میں جرمنی کے ٹکوسا کی ٹیم کی شرکت بھی طے تھی۔ لیکن اس انٹرنیشنل ٹورنامنٹ کو منسوخ کر دیا گیا۔ جرمنی سے چھ افراد پر مشتمل ایک مختصر وفد البتہ اجازت لے کر چلا گیا اور ایک دوستانہ میچ بھی منعقد ہوا۔ مکرم صدر صاحب یوکے ایسوسی ایشن اور انکی عاملہ نے بڑی الفت سے آؤ بھگت کی۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ وہیں محترم عطاء المجیب صاحب راشد کے ساتھ ایک عشائیہ کا بھی انتظام تھا۔

اس ٹؤر میں شاملین کو حضرت اقدس امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختصر ملاقات اور گروپ فوٹو کی سعادت نصیب ہوئی۔

عاملہ میٹنگز

پہلی سہ ماہی 2020 میں مجلس عاملہ کی دو میٹنگز ہوئیں اور ان میں کارکردگی کا جائزہ اور صورتحال کے مطابق پروگرامز کے انعقاد پر غور وخوض ہوا۔ ایک اجلاس عام کا پلان تھا جو کرونا کی وجہ سے ابھی تک نہیں ہو سکا۔

بائیک ٹوُر

مورخہ 28 جون 2020 ٹکوساجرمنی کے تحت پہلے بائیک ٹوُر کا انعقاد ہوا۔ اس نہایت کامیاب ٹوُر میں اکیس دوستوں نے شرکت کی۔ اس پروگرام کو علاوہ سوشل میڈیا کے جماعت احمدیہ کے ایم ٹی اے کی نشریات میں بھی دکھایا گیا۔ محترم امیر صاحب جرمنی کو یہ پروگرام پسند آیا۔ مہدی آباد سے مکرم رشید الدین صاحب جو فرینکفرٹ تو نہ آسکے لیکن انہوں مقامی طور پر سائیکل چلا کر عملاً پروگرام میں شرکت کرلی۔

تقرری ریجنل سیکریٹریان

مکرم مشنری انچارج صاحب کے اندازے کے مطابق جرمنی میں ٹی آئی کالج کے سابق طلبہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ اور انہیں تجنید میں پرونا ضروری ہے۔ اس غرض کے لئے بعد از مشورہ دوسرے مقامات پر ریجنل سیکریٹریان کا تقرر کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں بہت فائدہ ہوا۔ تجنید کے ساتھ ساتھ چندہ اور طلبہ فنڈ کی وصولی میں نمایاں اضافہ ہوا۔ نئی مجلس عاملہ کا ملاحظہ آپ ابتدائی صفحات میں کر سکتے ہیں۔

عید ملن پارٹی

اس سال اگست میں احتیاطی تدابیر کا خیال رکھتے ہوئے ایک عید ملن پارٹی بھی منعقد کر لی گئی۔ اس میں بعض لوگ کافی دور سے تشریف لائے۔ اور اس موقعہ پر پرانی یادوں کی جگالی ہوتی رہی۔ احباب جانتے ہیں کہ ان یادوں کے ذریعہ انسان اپنی زندگی کے واقعات دہرا کر کچھ دیر کے گزرے وقت کے باغیچہ کی سیر کر لیتا ہے جس سے اسے سکون ملتا ہے۔ اور جب ان یادداشتوں کو مل کر تازہ کیا جائے تو کئی بھولی باتیں بھی تازہ ہو کر شعور میں لوٹ آتی ہیں۔ اس خوشگوار کیفیت پر مکرم طاہر مجید صاحب اور راجہ محمد یوسف صاحب کی شاعری نے چار چاند لگا دیئے۔

ریلی کا انعقاد

ستمبر 2020 میں ابھی کرونا کی وبا کسی حد تک گرفت میں ہی تھی۔ اور احتیاط کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر ایک ریلی کا انتظام کیا گیا جس میں چھتیس احباب شامل ہوئے۔ اس پروگرام میں باسکٹ بال کے علاوہ، بائیک ٹوُر + بریک فاسٹ بھی پروگرام کا حصّہ تھا۔ اسی موقع پر ٹکوسا کی یادگاری ٹی شرٹس بھی بنوا کر تقسیم کی گئیں۔

آن لائین اجلاس و بیت بازی

جیسا کہ دوست جانتے ہیں جماعتی اجلاسات بھی اب آن لائین ہونے لگے ہیں۔ الحمد للہ کہ ملاقات کا یہ ذریعہ بہت مفید ثابت ہو رہا ہے اور ٹکوسا نے بھی اس ٹیکنیک سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے اور اجلاس کے ساتھ ساتھ ایک بیت بازی کا مقابلہ یو کے مجلس کے ساتھ بھی ہوا۔ یہ ابتدائی کوشش تھی اب وباء کے خاتمے تک اس ذریعہ کو استعمال کرتے ہوئے باہمی ربط کو قائم رکھا جائے گا۔

آن لائن مشاعرہ

سالِ گزشتہ کی آخری تقریب مورخہ 31 دسمبر 2020 کو زیر صدارت مکرم مبارک احمد عابد صاحب، امریکہ اور زیر نظامت مکرم رانا عبدالرزاق صاحب، یوکے، ایک آن لائن مشاعرہ کا انعقاد تھا۔ اس مشاعرے میں جرمنی کے معروف شعراء کے علاوہ پاکستان سے مکرم ڈاکٹر عبدالکریم خالدؔ صاحب نے بھی مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی۔ یہ مشاعرہ دنیا بھر میں لائیو دیکھا گیا اور اب یوٹیوب پر بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

مالی قربانی

محترم صدر صاحب کے پیغام سے آپ کے علم میں آچکا ہو گا کہ سال 2020 میں ٹکوسا کو اس سال کم و بیش تین ملین روپے طلبہ فنڈ کے علاوہ افریقہ میں ایک سکول کی عمارت اور ایک کنواں بنانے کے لئے الحمد للہ تین ہزار نو صد (3900) یورو پیش کرنے کی توفیق ملی۔

عرضِ آخرش

اگرچہ ہمیں اپنی کمزورویوں کا اعتراف ہے لیکن ہم جب خدا کے فضلوں کو وارد ہوتا دیکھتے ہیں تو ان فضلوں کی آس و اُمید پر ان کمزوریوں کا خوف چھٹ جاتا ہے اور ہر پروگرام جو بنایا جاتا ہے اس میں اللہ تعالیٰ برکت ڈالتا ہے۔ اس کے لئے ہمارے دل جذبہ تشکر سے لبریز ہیں۔ بھائیوں کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ ہماری کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے پہلے سے بڑھ کر تعاون فرمائیں اور اس تنظیم کی بہتری کے لئے آپ کے ذہن میں کوئی تجویز آئے تو براہِ کرم صدر صاحب یا خاکسار کے ساتھ اسے شئیر کریں۔ نیز دعا بھی کریں کہ یہ وباء جلد ختم ہو اور ہم اپنے پروگراموں کو وسیع پیمانے پر منعقد کر سکیں۔ آمین

آخر میں سب بھائیوں کو نئے سال 2021 کی بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ اسے ہمارے لئے برکتوں والا سال بنائے۔ آمین

خاکسار شیخ منصور احمد

جنرل سیکریٹری تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی۔ 28 دسمبر 2020

(پروفیسر مبارک احمد صاحب عابدؔ)

آج سویرے دستک دی سورج نے مرے دروازے پر
کل کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں آج کی مجھ سے بات کرو
لب پہ دعائیں دل میں وفائیں لے کر آگے بڑھنا ہے
پچھلا سال تو جا بھی چکا نہ شکوہء حالات کرو
اٹھو نئے ارادے لے کر جب تک میں نے ڈھلنا ہے
تم نے بھی کُل عالم نے بھی میرے ساتھ ہی چلنا ہے

اسلامی کیلنڈر کا مختصر تعارف

سال نو مبارک اور اسلامی کیلنڈر کا مختصر تعارف

(منور احمد خورشید مربی سلسلہ انگلستان)

اللہ تعالی کے فضل سے اسلامی کیلنڈر کے لحاظ سے نئے سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ اللہ تعالی یہ نیا سال ہم سب کے لئے بہت بہت مبارک کرے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے یہ نیا سال ہر لحاظ بہت زیادہ خیر و برکت، قیام امن و یگانگت کی نوید ہو۔

دنیا میں اکثر و بیشتر دو قسم کے کیلنڈر پائے جاتے ہیں

قمری کیلنڈر: قمری مہینے چاند کی رؤیت سے انتیس یا تیس دن کے ہوتے ہیں اور ایک قمری سال تین سو چوّن دن (354.36) پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس نظام کا انحصار چاند پر ہوتا ہے۔ اسی نسبت سے اسے قمری نظام تقویم کہا جاتا ہے۔ اکثر قدیم تہذیبوں میں مہینوں اور سالوں کے تعین کے لئے بنیادی طور پر چاند کو ہی معیار ٹھہرایا گیا ہے۔ کیونکہ چاند کو ہر کوئی آسانی سے دیکھ سکتا ہے۔ اور اس میں ہونے والی مسلسل تبدیلیاں بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس لئے پرانی تہذیبوں میں قمری کیلنڈر پر ہی اعتماد کیا جاتا رہا ہے۔

قمری نظام کے بارے میں قرآنی ارشادات

1۔ بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہے۔ اللہ کی کتاب میں، جب سے آسمان اور زمین بنائے ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ (سورۃ التوبۃ:36)

2۔ لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے" (سورۃ البقرۃ آیت نمبر 189)

3۔ وہ اللہ تعالی ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو۔ اللہ تعالی نے یہ چیزیں بے فائدہ پیدا نہیں کیں۔ (سورۃ یونس آیت نمبر 5)

عیسوی (شمسی) کیلنڈر: اس میں کل تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں۔ اس طرح عیسوی کیلنڈر کے بالمقابل ہجری کیلنڈر کے سال میں تقریبا گیارہ دن کم ہوتے ہیں اور ایک صدی میں دونوں کیلنڈروں کے درمیان تین سال کا فرق پڑ جاتا ہے۔ عیسوی کیلنڈر کے مطابق نئی تاریخ کا آغاز بارہ بجے رات سے ہوتا ہے۔

ہجری کیلنڈر کے اعتبار سے غروب آفتاب سے نئی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔

اسلامی کیلنڈر کے مہینوں کے اسماء اور ترتیب عرب دنیا میں قدیم سے رائج ہے۔ احادیث شریفہ میں ان اسماء کا ذکر کئی اہم واقعات کے سلسلہ میں ملتا ہے۔

اسلامی مہینوں کے اسماء، ترتیب اور ان کی وجہ تسمیہ:

1۔ محرم الحرام۔ یہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ اس مہینہ میں جنگ و جدل حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو محرم کہتے ہیں۔

2۔صفر: اس کو صفر اس لئے کہتے ہیں۔کیونکہ عرب اس ماہ میں دیگر قبائل پر حملے کے لئے اپنے اہل خانہ سے الگ ہو جاتے۔اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرب اس میں قبائل پر حملہ کرتے تھے اور انہیں بے سر و سامان کر جاتے تھے.

3۔ربیع الاول: اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ یہ موسم بہار میں آتا تھا اس لئے اس کا یہی نام پڑ گیا۔

4۔ربیع الثانی: اس کا یہ نام اس لئے پڑا کہ عرب اس میں اپنے جانوروں کے لئے گھاس اکٹھا کرتے تھے اس لئے اس کا نام ربیع ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مہینہ موسم بہار میں آیا کرتا تھا اس لئے اس کا نام ربیع پڑا۔

5۔جمادی الاول: اسلام سے پہلے اس کا نام "جمادی خمسہ" تھا اور جمادی اس لئے کہا گیا کہ یہ موسم سرما میں واقع ہوتا تھا اور اس میں پانی جم جاتا تھا۔

6۔جمادی الثانی: اسلام سے پہلے اس کا نام "جمادی ستہ" تھا اور اس کا یہ نام موسم سرما میں آنے کی وجہ سے پڑا۔

7۔رجب: یہ حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے،اس کا نام رجب اس لئے پڑا کہ عرب اس میں برچھیوں کے آہنی نیزوں کو نکال دیا کرتے تھے اور لڑائی سے گریز کرتے تھے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رجب کے معنی ہی جنگ سے گریز کرنا ہے۔

8۔شعبان: اس کا نام شعبان اس لئے پڑا کہ لوگ اس میں پانی کی تلاش میں ادھر ادھر تتر بتر ہو جاتے تھے۔

9۔رمضان: یہ تو مسلمانوں کے لئے روزہ رکھنے کا مہینہ ہے،اس کا یہ نام اس لئے پڑا کہ یہ نام رکھنے کے وقت گرمی اور سورج کی شدت شباب پر ہوتی تھی،اور جس وقت یہ نام رکھا جا رہا تھا اس وقت گرمی کی شدت تھی۔

10۔شوال: اس میں عید الفطر ہوتی ہے،اس کا یہ نام اس لئے پڑا کہ اس میں اونٹنیاں حاملہ ہوا کرتی تھیں اور ان کے دودھ خشک ہوتے تھے۔

11۔ذوالقعدہ: یہ حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے اس کا نام ذوالقعدۃ اس لئے پڑا کہ عرب اس میں حملوں اور سفر سے اجتناب کرتے تھے اور اسے حرمت والا مہینہ سمجھ کر جانوروں کے لئے گھاس اور اپنے لئے توشہ کی جستجو سے پرہیز کرتے تھے۔

12۔ذوالحجہ: اس میں حج اور عید الاضحی انجام دئے جاتے ہیں اور یہ بھی حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے،اس کا نام ذو الحجۃ اس لئے پڑا کہ اس مہینہ میں عرب حج کو جایا کرتے تھے۔

اسلامی کیلنڈر کی موجودہ ترتیب:

اس نظام کو ہجری اسلامی کیلنڈر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

اگرچہ یہی مہینے قبل اسلام بھی عرب معاشرہ میں انہی ناموں کے ساتھ رائج تھے۔سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جب اسلامی حکومت دور دور تک پھیل گئی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو موسی اشعریؓ جب کوفہ کے گورنر تھے۔انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی۔آپ کی طرف سے ہمیں جو احکامات ملتے ہیں ان خطوط پر تاریخ نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں حکم نامہ کی تاریخ کا وقت معلوم نہیں ہو پاتا۔جس کی

وجہ سے ان پر عمل کرنے میں دشواری پیش آتی ہے۔

اس پر حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کی ایک کمیٹی ترتیب دی جو اسلامی کیلنڈر مرتب کرے۔اس سلسلہ میں چند ایک تجاویز زیر غور آئیں۔حضرت علیؓ کی پیش کردہ تجویز کہ اسلامی کیلنڈر کا آغاز آنحضرت نبی کریم ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی ہجرت کے وقت سے شروع کی جائے۔کیونکہ پہلی اسلامی مملکت ہجرت کے بعد ہی مدینہ میں قائم ہوئی تھی۔حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت علیؓ کی یہ تجویز پسند آئی اور اسی کی آپ نے منظوری عطا فرمائی جو اللہ تعالی کے فضل سے آج تک دنیائے اسلام میں رائج ہے۔ کل عام و انتم بخیر

کلامِ شمسؔ

مال کا بھی طلبگار ہوں تجھ سے مرے پیارے خدا
پر مرے دلِ تاریک سے تُو دُور اندھیرا کر دے

رات تاریک ہے اور ظلمت کے تھپیڑے ہر سُو
لطف کر نور سے اپنے تُو مرے گھر میں اُجالا کر دے

میں خاک ہوں ناچیز ہوں میں کچھ بھی نہیں
تو جو چاہے تو اِسی خاک کو ہم دوشِ ثریا کر دے

کہنہ میری کشتی ہے دراڑیں بھی ہیں اِسکے اندر
کشتیٔ نوح کی مانند عطا اس کو کنارہ کر دے

دیکھ کے اپنے عدو کو میں تو کہتا ہوں مَتٰی نصر اللہ
شمسؔ کو اے مرے تو مولا نصرت کا اشارہ کر دے

(ڈاکٹر محمد جلال شمسؔ۔مورڈن۔یوکے 11.12.2020)

کیا کیا ہمیں یاد آیا جب یاد تری آئی

(محمد انیس دیالگڑھی۔ مدیر اخبار احمدیہ جرمنی)

دسمبر کا موسم جلسہ کا موسم ہے۔ یہ مہینہ آتے ہی جلسہ کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں اور بے چین کرتی ہیں۔ جب یہ مہینہ آتا ہے تو جلسہ کی مخصوص خوشبو ساتھ لاتا ہے۔ خصوصاً بچپن کی یادیں دل و دماغ پر یوں نقش ہیں کہ بسا اوقات بِن بلائے، گھٹا کی طرح اُمڈی چلی آتی ہیں۔ دل پر بجلیاں کڑکتی ہیں، آہ و فغاں کی آندھی اُٹھتی ہے اور پھر سیلابِ اَشک آتا ہے۔ انسان دل و دماغ کے پردے پر چھائی ان یادوں کو جھٹکنے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس میں اِس روداد کو دُہرانے کی ہمت نہیں۔ مگر یہ یادیں جو خون میں شامل ہیں وہ مجبور کر کے بار بار اس کوچہ میں لے جاتی ہیں کہ ”ہمیں تو ٹھوکریں کھانا مگر جانا“۔

میں نے ذکر کیا کہ دسمبر جلسہ کی خوشبو ساتھ لاتا ہے۔ ہر چیز میں خوشبو تھی۔ پرالی، آب خورے، مٹی کے پیالے، وقار عمل اور مٹی پر پانی کے چھڑکاؤ کی خوشبو، اُس چونے کی خوشبو جس سے دیواروں پر اقوال زرّیں لکھے جاتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ دیگر اشعار کے ساتھ ایک جگہ مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لیے یہ شعر بھی لکھا ہوا تھا کہ:

اے بادِ صبا کچھ تو نے سنا مہمان جو آنے والے ہیں

کلیاں نہ بچھانا رستے میں، ہم آنکھیں بچھانے والے ہیں

مونگ پھلی، چلغوزے، گُڑ اور ریوڑیوں کا موسم، آگ سینکنے کا موسم اور اس آگ کی خوشبو، لنگر کی دال کی خوشبو، آلو گوشت کی خوشبو، تازہ روٹی کی بھینی بھینی خوشبو۔ یہ ساری خوشبوئیں آج بھی سانسوں میں بس رہی ہیں اور دل و جاں معطر کیے ہوئے ہیں۔

پھر ربوہ کا ماحول اذان اور صَلِّ عَلٰی کی آوازیں اور لوگوں کا نماز کو لپکنا اور دور دور کے مہمانوں کا مسجد مبارک میں خلیفہ وقت کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنا، عمارتوں اور دُکانوں پر چراغاں، جگہ جگہ گیٹ بنانے، جن پر ایمان افروز فقرات کے ساتھ ساتھ خوش آمدید اور Welcome کے الفاظ کا لکھا ہونا۔

بیر کس، چھولداریاں، لاری اڈے اور ریلوے اسٹیشن پر مہمانوں کا استقبال اور خدام کا لپک لپک کر مہمانوں کا سامان اٹھا کر قیام گاہوں تک پہنچانا، اسپیشل بسوں اور ٹرینوں کی آمد پر نعرہ ہائے تکبیر کا غلغلہ، لاؤڈ سپیکر پر السلام علیکم، اھلاً و سھلاً و مرحبا کی محبت بھری آوازیں اور استقبالیہ نظمیں۔ ڈیوٹی دینے کا شوق، ڈیوٹی چارٹ پر اپنا نام ڈھونڈنا اور انگلی رکھ کر یاروں کو بتانا کہ میرا نام بھی لکھا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میری پہلی ڈیوٹی تصدیق پرچی خوراک کی تھی۔ پھر دارالرحمت غربی کے لنگر خانے میں چند سال ڈیوٹی دی۔ آٹا گندھوائی، روٹی پکوائی، سالن پکوائی، روٹی تقسیم، سالن تقسیم اور لنگر میں آخری ڈیوٹی پہرہ گیٹ کی ڈیوٹی تھی۔ ایک سال رابطہ مستورات میں ڈیوٹی دینے کا موقع ملا۔ پھر خدمت خلق کے شعبہ میں ڈیوٹی مل گئی بعد ازاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے حفاظتی موٹر سائیکل گروپ میں ڈیوٹی دینے کی سعادت نصیب ہوئی اور دو سال 1982ء، 1983ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے حفاظتی موٹر سائیکل گروپ میں بھی ڈیوٹی دینے کا موقع ملا۔ اور پھر جلسہ بند کر دیا گیا، مگر جلسہ کہاں بند ہوا۔ اب وہی جلسہ اتنے ملکوں میں جاری ہے کہ گننا مشکل ہے۔

جب لنگر نمبر 2 دارالرحمت غربی میں ڈیوٹی تھی تو حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحبؒ ناظم لنگر خانہ تھے۔ ان کے آنے سے چہروں پر خوشی، مسرت اور بشاشت کی لہر دوڑ جاتی تھی اور جوش و خروش میں اضافہ ہو جاتا تھا اور کام کے ساتھ ساتھ لنگر میں نعرے بھی لگتے۔ آپ صرف ناظم لنگر خانہ نہیں تھے بلکہ بہت سی دوسری جماعتی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ ساری ڈیوٹیاں ادا کرنے کے ساتھ ساتھ گھر کے مہمانوں کا بھی خیال رکھتے اور گھر بھی کشتی کی طرح بھرا ہوا ہوتا اور ہر مہمان کا یہ کہنا ہے کہ ہمارا ہر طرح خیال رکھا جاتا۔ ساتھ ساتھ مریضوں کو بھی دیکھتے تھے کہ خدا نے دل ہی ایسا دیا تھا۔ میٹنگوں میں شمولیت کے ساتھ ساتھ شبینہ اجلاسوں کا انعقاد اور نعتیہ مشاعروں کی صدارت۔ بلکہ آپ ہی اس کی روح رواں اور رونق محفل تھے۔ پھر آپ جلسہ پر تقریر بھی کرتے، کب تقریر لکھتے اور تیار کرتے یہ خدا ہی جانتا ہے۔ شاید ان کا دن 48 یا 72 گھنٹوں کا ہوتا تھا۔

اب یہ ساری باتیں صرف یادیں ہی بن کر رہ گئیں مگر نقش و نگار طاق نسیاں نہیں ہوئیں۔ ربوہ میں جلسہ نہ ہونے کی ایک کسک اور ہوک دل میں ضرور اٹھتی ہے مگر ساتھ یہ بھی ایمان ہے کہ یہ دن اور یہ رونقیں دوبارہ واپس آئیں گی کہ یہ اُس خدا کا وعدہ ہے جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔

چھٹنے والے ہیں ظلم کے بادل
ایک دو دن کی بات ہے یارو

ایک عرصہ تک تو جماعت ہر سال جلسہ کی اجازت کی درخواست دیتی اور حکومت اس کو رڈ کر دیتی۔ چنانچہ نظام جماعت خاموشی سے اس کی اطاعت کرتا کہ ہمیں یہی نصیحت ہے۔

امن کے ساتھ رہو، فتنوں میں حصہ مت لو
باعث فکر و پریشانیٔ حکام نہ ہو

اور ہم کبھی بھی فتنہ و فساد کا حصہ نہیں بنے۔ ہمیشہ حکومت وقت کی اطاعت کی اور جیسا حکم ہوا مان لیا۔

ہم نے سنا ہوا تھا کہ جماعت ہمیشہ ظلم و ستم کا نشانہ بنتی رہی ہے مگر بعض سال تو بڑے سخت تھے۔ مثلاً 1934ء، 1953ء اور 1974ء کا سال، 1984ء کے بعد سے اب تک ظلم و ستم میں کمی نہیں آئی بلکہ اضافہ ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ 28/ مئی 2010ء کو سفاکوں نے ظلم و بربریت کی انتہا کر دی۔ ایک ہی دن میں 80/ سے زائد احمدی شہید کیے اور ہم خاموشی سے لاشیں اٹھاتے رہے، جنازہ پڑھتے، دعائے مغفرت کرتے اور خدا کے سپرد کرتے رہے۔ غم واندوہ کی کیفیت تو ناقابل بیان تھی مگر کوئی غصہ اور طیش نہ تھا۔ کوئی انتقامی جذبات نہیں تھے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اس جماعت کی باگ ڈور اُس خلافت حقّہ کے ہاتھ میں ہے جس کی رہ نمائی خدا خود فرماتا ہے۔ سب سے زیادہ دکھ اور تکلیف میں وہی مبتلا تھا اور وہی جماعت کو یہ تعلیم دے رہا تھا کہ صبر، صبر اور صبر کے ساتھ دعا کرو اور ساتھ یہ تسلی دی کہ ہمارا بدلہ ہمیشہ خدا خود لیتا آیا ہے۔ اب بھی وہ ان ظالموں سے خود ہی نپٹے گا۔ ہمارا کام صبر اور دعا ہے۔

دعا پر کس قدر کامل یقیں ہے
اور ایسا صبر کہ صد آفریں ہے
ہمیں خوف و خطر زیبا نہیں ہے
فلک پر شورِ نصرت بالیقیں ہے
ہیں صف آراء بھی لشکر آسماں میں
"نہاں ہم ہو گئے یارِ نہاں میں"

1974ء میں پہلی بار ہم نے اپنی ہوش میں اس ظلم و ستم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ روزانہ ہنگامے، روزانہ لوٹ مار، روزانہ قتل و غارت اور کوئی روکنے والا نہ تھا بلکہ قانون نافذ کرنے والے خود اس ظلم و ستم کا حصہ بن گئے۔ اور پھر نشانِ عبرت بھی بن گئے۔ ہم لوگ جوان تھے۔ اور اس ظلم و ستم پر غم و غصہ پیدا ہونا ایک فطری اور طبعی امر تھا۔

ایک دن ایک بزرگ سے میں نے عرض کیا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ دشمن جب چاہتا ہے اٹھ کر ہم پر ہر قسم کا ستم ڈھاتا ہے۔ کیا ہمارے ہاتھ پاؤں ٹوٹے ہوئے ہیں؟ اور آخر ہمیں اجازت کیوں نہیں دی جاتی کہ ہم ان ظلموں کا کچھ تو بدلہ لیں۔ تو مسکرائے، کہنے لگے تم کیا سمجھتے ہو مجھے غصّہ نہیں آتا؟ آتا ہے، مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی سختی سے یہ تعلیم دی ہے کہ

گالیاں سن کر دعا دو، پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

یہ جذبات تو ہر انسان میں ہوتے ہیں اور کبھی کبھی مجھ پر بھی ان جذبات اور غیظ و غضب کا غلبہ ہوتا ہے مگر خدا نے مسیح موعودؑ کی امن و آشتی کی تعلیم پر قائم رکھنے کے لیے خلافت بھی قائم کی ہے اور جو بار بار ہمیں یہ تعلیم یاد دلاتی ہے اور ہمیں انتقام لینے سے روکتی ہے اور بتاتی ہے کہ یہ راستہ اور یہ سمت درست نہیں۔

پھر جگر مراد آبادی کا ایک شعر سنایا کہ:

ہم زمانے سے انتقام تو لیں
اک حسیں درمیان ہے پیارے

☆...☆...☆